اسلام کا نظامِ کفالت

طاہر رسول قادری

ادارہ معارف اسلامی۔ کراچی

البدر پبلی کیشنز

۲۳ راحت مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

اسلام کا نظامِ کفالت

طاہر رسول قادری

البدر پبلی کیشنز
۲۳۔ راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور

اشاعت اوّل . . . ایک ہزار اپریل [illegible]

ناشر . . . عبدالحفیظ احمد

طابع . . . بوردشیر پریس

قیمت . . . روپے

ادارۂ معارفِ اسلامی

ادارہ معارفِ اسلامی (رجسٹرڈ) ایک آزاد علمی و تحقیقی ادارہ ہے جو اسلام کی حقیقی اور بے آمیز تعلیمات کو دورِ جدید کی زبان میں پیش کرنے اور اسلام کی رہنمائی میں آج کے معاشرے کے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے علمی کام میں مصروف ہے۔ اس ادارہ کا قیام ۱۹۶۳ء میں عمل میں آیا۔ ایک با اختیار مجلس منتظمہ اس کے تمام اُمور کی ذمّہ دار ہے۔ ادارہ کا مرکزی نظم کراچی میں ہے اور مختصر شاخ ڈھاکہ میں کام کر رہی تھی لیکن سقوطِ مشرقی پاکستان کے سبب اب اس سے ادارہ کا رابطہ ٹوٹ گیا۔ جن مقاصد کے حصول کے لیے ادارہ کوشاں ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ اسلامی تعلیمات کو پوری تحقیق اور علمی جستجو کے بعد جدید ترین اسلوبِ اظہار کو اختیار کرتے ہوئے پیش کرنا اور تمدن، تاریخ، قانون، معیشت اور دوسرے دائروں میں جو مسائل درپیش ہیں ان کا حل اسلام کی روشنی میں پیش کرنا۔

۲۔ علمائے اسلام کے تحقیقی کارناموں کا ترجمہ، ترتیبِ نو، تشریح و توضیح اور اشاعت۔ اس طرح قدیم علمی خزانوں تک آج کے طالب علموں کی رسائی کا سامان کرنا۔

۳۔ عالمِ اسلام کے موجودہ مسائل اور مستقبل کے امکانات کے بارے میں صحیح اور حقیقت پسندانہ فہم پیدا کرنے کے لیے مسلم ممالک کے بارے میں بالعموم اور پاکستان کے بارے میں بالخصوص تحقیقی کام کرنا۔

۴۔ اسلامی موضوعات پر دورِ حاضر کے مسلم علماء کے نمایاں کارناموں کی وسیع اشاعت اور نفوذ کی خاطر دنیا کی اہم زبانوں میں بالخصوص عربی، اردو، انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور سواحلی میں اُن کے ترجمہ اور اشاعت کا انتظام کرنا۔

۵۔ عام پڑھے لکھے لوگوں میں اسلامی تہذیب و تمدن، تاریخ اور مسلم دنیا کے موجودہ مسائل کا صحیح فہم پیدا کرنے کے لیے مناسب طرز کی عام فہم کتابوں کی تیاری اور اشاعت کا انتظام کرنا۔

۶۔ تعلیم کو مثبت اسلامی آہنگ دینے کے لیے اور اسلامی بنیادوں پر تشکیل شدہ ایک نئے نظامِ تعلیم کے ارتقاء کی راہ ہموار کرنے کے لیے مختلف مراحل کی نصابی اور امدادی کتب کی تیاری اور اشاعت کا انتظام کرنا۔

اِبتدائیہ

زکوٰۃ، صدقات اور عشر اسلام کے معاشی نظام کی اصل ہیں۔ ان کے اثرات انسانی زندگی پر محیط ہیں۔ لیکن اگر اس شجر ثمردار کی شاخیں توڑ کر قبروں پر گاڑ دی جائیں تو اس سے نہ مردے ہی کو فائدہ پہنچے گا اور نہ زندہ لوگوں کو امن و عافیت کا سایہ مل سکے گا۔ یہ باتیں محض چونکا دینے کے لیے نہیں کہی جا رہی ہیں بلکہ اس تلخ حقیقت کا اظہار ہیں کہ غریبوں، ناداروں، مجبوروں، معذوروں اور معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والوں کو پورا پورا معاشی تحفظ دینے والا ایک نظام کسی قوم کے پاس موجود ہو اور اس قوم میں غربت، جہالت و ناداری، بے بسی، طبقاتی کشمکش، مالکوں اور مزدوروں کے جھگڑے بھی روز شور سے جاری ہوں۔ حیرت ناک ہی نہیں افسوس ناک بھی ہے؟

اور اس سے بڑھ کر یہ کہ نظری اعتبار سے تو اس کے چرچے ہوں، فقہ کی چھوٹی بڑی کتابوں میں یہ مسائل موجود ہوں، ان مسائل کی تفصیلات اور باریکیوں سے واقف بڑے بڑے علماء

فضلاء بھی ہر جگہ ملیں، عام لوگوں کے ذہنوں میں اس کی افادیت بھی ہو اور اس کے فرض ہونے کا علم و احساس بھی ــــــــ غرض کہ یہ مسئلہ کتابوں میں بھی ملے اور ذہنوں میں بھی پایا جائے ــــــــ لیکن اسے کیا کہا جائے کہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں؟

آج دنیا میں کم و بیش پچاس مسلم حکومتیں قائم ہیں۔ یہ آزاد و خود مختار ہیں اور مالی اعتبار سے خوش حال اور مستحکم بھی، لیکن ان میں سے کسی ایک ملک میں بھی زکوٰۃ کا نظام مکمل صورت میں پوری قوت کے ساتھ نافذ نہیں ہے۔ البتہ فرد کی سطح پر رضاکارانہ یہ کام پہلے بھی ہو رہا تھا اور اب بھی ہو رہا ہے جس کو آج کی اجتماعی زندگی میں یقیناً کوئی بڑی اہمیت نہیں ہے۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشی تحفظ فراہم کرنے والے اس نظامِ معیشت کو اولاً متحرک بنایا جائے، ثانیاً بھرپور قوت نافذہ کے ذریعہ اس کو معاشرہ میں نافذ کیا جائے ثالثاً اب اس کو علمی موشگافیوں اور لفظ و معنی کی الجھنوں سے نکال کر دوٹوک صورت میں ایک عملی حقیقت تسلیم کر لیا جائے تاکہ نظامِ زکوٰۃ مسلم معاشرے کی حیات بخش قوت بن جائے۔

رفیق ادارہ جناب طاہر رسول قادری نے اس سلسلہ میں جو کاوش کی ہے پیش خدمت ہے۔ اس کے پڑھنے والے ہی کتاب کے بارے میں کچھ کہہ سکتے ہیں۔ یہ اس موضوع پر آخری چیز نہیں۔ ابتدائی کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی محنت کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو ملک و ملت کے لیے مفید بنائے۔

منور حسن
جنرل سیکرٹری معارف اسلامی کراچی
۱۲ر نومبر ۱۹۷۹ء

مقدمہ

غریبی اور محرومی کا انسانی تاریخ میں ہمیشہ وجود رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی تاریخ کے ہر دور میں اس کے ازالے اور محرومی کے شکار لوگوں کو مجبوری اور بے بسی سے نجات دلانے کے لیے لوگوں نے سوچا بھی ہے اور امکانی حد تک کوششیں بھی کی ہیں، انسانیت ترقی کرتی ہوئی نزول قرآن کے زمانے تک جب پہنچی اس وقت یہ مسئلہ انتہائی اہم ہو چکا تھا۔ اور اب تک آسمانی کتابوں اور مذاہب نے غریبوں کے ساتھ حسن سلوک پر جتنی توجہ دلائی تھی، اس آخری کتاب نے غریبی کے انسداد کے لیے مؤثر حل پیش کر دیا۔ دوسرے تمام مذاہب آسمانی نے تو غریبوں کی مدد کے لیے امیروں کو اکسایا ہے۔ غریبوں کا حق اور اس کی ادائیگی کی ذمہ داری نہیں سونپی ہے، اسلام نے امیروں کی دولت پر غریبوں کا حق قائم ہے اور اس کی ادائیگی کا ذمہ دار حکومت کو قرار دیا ہے۔

سورۂ الروم آیت ۳۷ میں ارشاد ہے "پس (اے مومن) رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین و مسافر کو (اس کا حق) یہ

طریقہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوں"
اللہ تعالیٰ نے " یہ نہیں فرمایا کہ رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو خیرات دے۔ ارشاد یہ ہوا ہے کہ یہ اس کا حق ہے جو تجھے دینا چاہیئے اور حق ہی سمجھ کر تو اسے دے اس کو دیتے ہوئے یہ خیال تیرے دل میں نہ آنے پائے کہ یہ کوئی احسان ہے جو تو اس پر کر رہا ہے اور تو کوئی بڑی ہستی ہے دان کرنے والی اور وہ کوئی حقیر مخلوق ہے تیرا دیا کھانے والی۔ بلکہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ مال کے مالک حقیقی نے اگر تجھے زیادہ دیا ہے اور دوسرے بندوں کو کم عطا فرمایا ہے تو یہ زائد مال ان دوسروں کا حق ہے۔

زکوٰۃ وصدقات اور انفاق دراصل امیروں کے مالوں میں غریبوں کے حق کی اسلامی اصطلاحیں ہیں۔ ان میں زکوٰۃ وہ حق معلوم ہے جو ہر صاحب نصاب سے "لازماً" وصول کر کے مستحق افراد تک پہنچایا جاتا ہے۔ یا عندالطلب ادا کیا جاتا ہے۔ اسلام کے اقتصادی نظام اور نظامِ کفالت میں ان کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اگر اس نظام کو پوری باضابطگی سے جاری کر دیا جائے تو مسلم معاشرے سے غربت، جہالت بے کاری، ناداری، طبقاتی کشمکش اور ان کی وجہ سے پیدا ہونے والے جذبۂ نفرت، جذبہ انتقام، بغض وعناد اور فتنہ و فساد کا بڑی حد تک خاتمہ ہو جائے لیکن یہ نظام نہ تو ایک مقید معاشرہ اور پابند معیشت نہیں قائم ہو

سکتا ہے اور نہ جذبہ احسان مندی سے خالی، ناخداترس اور بے رحم معاشرہ میں پروان چڑھ سکتا ہے، اس کے لیے تو آزاد معاشرہ اور آزاد معیشت FREE ECONOMY کی موجودگی ضروری ہے کسی ایسے اجتماعی ماحول میں اس کا نفاذ ممکن نہیں جہاں لوگوں کے حقوق ملکیت ساقط کر دیئے جائیں، ریاست تمام ذرائع کی مالک ہو جائے اور افراد کے درمیان تقسیم رزق کا پورا کاروبار حکومت کی مشینری سنبھال لے۔ بلکہ قرآن کی یہ اسکیم تو اسی جگہ چل سکتی ہے جہاں افراد کچھ وسائل دولت کے مالک ہوں، ان پر آزادانہ تصرف کے اختیارات رکھتے ہوں اور ساتھ ہی خدا کو پہچانتے اس سے ڈرتے اور اس کے احکام کے فرماں بردار ہوں۔ اور جب یہ تینوں باتیں کسی معاشرے میں پائی جائیں گی تب معذور، محروم اور غریب لوگ معاشی تحفظ حاصل کر سکیں گے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ اسلام کے نظامِ کفالت کو صحیح طور پر چلانے کے لیے جن باتوں کی طرف توجہ دی جانی چاہیئے وہ یہ ہے کہ اسلام کی سیاسی باگ ڈور خداترس لوگوں کے ہاتھوں میں رہنی چاہیئے۔ کیونکہ ایک ذمہ دار حکومت پر اپنی رعایا کے سلسلے میں جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان میں اہم ترین ذمہ داریاں روٹی، کپڑا، مکان کی فراہمی، جنسی بے راہ روی سے بچنے کا انتظام یعنی نکاح کی سہولتیں، تعلیم علاج وغیرہ ہیں۔ ایک سربراہِ مملکت ان تمام ذمہ داریوں سے نظامِ زکوٰۃ وعشر سے

ذریعہ ہی عہدہ برآ ہو سکتا ہے اور اپنی حدود و سلطنت میں آباد لوگوں کو پورا معاشی تحفظ دے سکتا ہے بشرطیکہ وہ خود پکا مومن، نیک با اخلاق خدا ترس اور خلقِ خدا کا خیر خواہ ہو۔

دوسرے یہ کہ خود اس ملک اور آبادی کے لوگ بھی خدا ترس ہوں، پستی سے نکلنے کا ان کے اندر بھی احساس ہو اور اپنی حالت کو ٹھیک کرنے کی آمادگی ان کے دلوں میں پائی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ہم کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتے
جب تک وہ قوم خود اپنے آپ کو نہیں بدلتی"۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی لیڈر، کوئی بھی رہنما ایک منتشر بے جاں کم ہمت اور خود غرض قوم کو متحد کر کے راہِ راست پر اس وقت تک نہیں لگا سکتا جب تک اس قوم کے اندر راہِ راست حاصل کرنے کی فکر پہلے پیدا نہیں ہو جاتی۔ قوم متحد ہونا چاہتی ہے تو رہنما اتحاد کی علامت بن جاتا ہے۔ یہ انڈا پہلے یا مرغی والی بحث نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ فرد ہو یا جماعت کسی کو بھی نیکی اور بھلائی کی توفیق اسی وقت ملتی ہے جب اس کے اندر اس کے لیے سچی طلب پیدا ہوتی ہے۔ طلب کے بغیر تو ہدایت بھی نہیں ملتی تلاش و جستجو کے بغیر تو آدمی کو خدا بھی نہیں ملتا ہے۔ اور ایک بات یہ بھی ہے کہ جیسا دودھ ہو گا مکھن بھی ویسا ہی نکلے گا۔ میری قوم کے اندر اول تو اچھا رہنما پیدا ہونا مشکل ہے اور اگر بخت و اتفاق سے پیدا بھی ہو جائے تو قومی مزاج اس کو قبول نہیں کر سکے گا۔

تیسرے یہ کہ زکوٰۃ کے مسائل کو اب تشنہ طلب نہیں رہنا چاہیئے بلکہ اس کا ہر پہلو واضح طور پر عوام کے سامنے ہونا چاہیئے۔ کیونکہ نماز اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایک بندہ مومن کے لیے جس طرح بندگی تذلل اور نیازمندی کے اظہار کا ذریعہ ہے اور نماز کی پابندی کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت اور اس کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے اسی طرح زکوٰۃ و صدقات بھی اس کے لیے اظہارِ بندگی عبادت مالی اور اس کے بندوں کی خدمت کا ذریعہ ہے جس کو بروقت ادا کر کے وہ خلق کی بھلائی اور رضائے الٰہی کا طلبگار رہتا ہے ـــــ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس اہم فریضہ دینی اور مالی عبادت کا ہر پہلو نماز کی طرح واضح نہیں ہے۔ بلکہ نماز کے برعکس تقریباً ہر پہلو اس کا اختلافی ہے ـــــ زکوٰۃ کی مقدار اور اس کی اصل میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

کس پر زکوٰۃ فرض ہے اور کس پر فرض نہیں اس میں اختلاف ہے کون سا مال زکوٰۃ کے قابل ہے اور کون سا نہیں ہے اس میں اختلاف ہے اور یہی نہیں بلکہ اختلافات کی انتہا یہ ہے کہ ایک فقہی مسلک میں بچہ اور مجنوں کے مال پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے اور دوسرے مسلک میں زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی ہے۔ ایک فقیہہ کے نزدیک زمین سے اگنے والی ہر چیز پر (سوائے گھاس نرکٹ وغیرہ) کے زکوٰۃ عائد ہوتی ہے جبکہ دوسرے کے نزدیک زمین سے اُگنے والی صرف تین صنف اجناس پر زکوٰۃ ہے۔ اور کسی کے نزدیک اس سے کچھ زیادہ صنف

اجناس پر ہے۔ اسی طرح ایک فقہی مسلک میں قرض دیئے ہوئے مال پر زکوٰۃ ہے جبکہ دوسرے فقہی مسلک میں قرض دیئے ہوئے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ ایک مسلک میں عورتوں کے زیورات پر زکوٰۃ ہے جبکہ بعض فقہاء کے یہاں زیورات پر زکوٰۃ نہیں ہے، عاریتاً زیورات کسی کو پہننے کے لیے دیتے ہی سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ ایک کے یہاں سامان تجارت پر زکوٰۃ ہے دوسرے کے یہاں نہیں۔ ایک فقہ میں زکوٰۃ کے لیے نصاب کی شرط ہے جبکہ بعض دوسری فقہ میں نصاب شرط نہیں ہے۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ موجودہ زمانہ میں مشینیں فیکٹریاں عمارات، ہوائی جہاز، بسیں، کاریں جن کا وسیع پیمانہ پر کاروبار ہوتا ہے اور یہ اندرون ملک اور بیرون ممالک وسیع پیمانے پر کرایہ پر چلا کرتی ہیں۔ بڑی بڑی عمارتیں محض کرایہ کے لیے تجارتی بنیادوں پر بنائی جاتی ہیں اور کرائے پر لگائی جاتی ہیں۔ ان کے بارے میں بھی ہنوز کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہو سکا ہے۔ نہ ان پر زکوٰۃ کی شرح مقرر کی گئی ہے اور نہ ان کی مالیت کے بارے میں طے ہو سکا ہے۔ نیز یہ کہ ابھی تک انسان کی حاجت اصلیہ کا تعین بھی نہیں ہو سکا ہے، اور نہ عام انسان کے معیار رہائش کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ عام لوگوں کے سامنے آسکا ہے تو اس بارے میں فیصلہ ہو سکا کہ زکوٰۃ کی رقم کس طرح حاجت مندوں میں تقسیم کی جائے۔ ایک ہی ضرورت مند کی سال بھر کی حاجتیں پوری کر دی جائیں یا چند ماہ کی یا ایک دو حاجتیں پوری کر دی جائیں۔ یا یہ کہ ایک ایک دو دو روپے یا پانچ دس

اور سو پچاس دے کر ان کو حاجتوں میں لیٹا رکھا جائے۔

ہم نے اپنی کم علمی اور بے مائیگی کے باوجود ان اختلافی مسائل پر اپنی رائے پیش کرنے کی جرأت کی ہے اور بعض جگہوں پر دور جدید کے ممتاز فقہاء اور علماء کی رائے پیش کر دی ہے۔ اور اکثر مسائل میں حنفی مسلک پیش کر دیا ہے اور دوسرے مسلک کی باتیں اور ان کا مسلک درج کر دیا ہے۔ یہ صرف ہماری کوشش ہے اور اس کوشش میں اضافے کی ابھی بہت زیادہ گنجائش ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے علم میں اضافہ فرمائے اور اپنے فضل و اجر سے نوازے اور لوگوں میں اس کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین

طاہر رسول قادری

دولت نعمت ہے

اسلام دین فطرت ہے۔ اس کا کوئی بھی حکم انسان کی فطرت کے خلاف نہیں۔ اس نے آدمی کو جس چیز سے روکا ہے اس سے رک جانے ہی میں اس کا فائدہ اور جس کے کرنے کا حکم دیا ہے اس کے کرنے ہی میں اس کی بھلائی ہے۔ چاہے نفع و نقصان کے یہ معاملے اس کی سمجھ میں آتے ہوں یا نہ آتے ہوں۔ لیکن فائدے کی راہ بہرحال وہی راہ ہے جو اسلام نے انسان کو دکھائی ہے ــــ انسان کے تمام فطری جذبات و خواہشات چاہے وہ جنسی ہوں یا شکمی اسلام ان کا پورا احترام کرتا ہے ان کو جائز قرار دیتا ہے اور ان کی تسکین کا سامان کرتا ہے بشرطیکہ وہ فطرت صالحہ کے مطابق ہوں اور حدود و قیود کی پابند ہوں۔

دولت سے رغبت انسان کی فطرت میں ہے کیونکہ یہ اس کی

حاجت براری کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس لیے اسلام نے بھی دولت کو کوئی بری شے ناپسندیدہ چیز اور شجر ممنوعہ قرار نہیں دیا ہے اور نہ دولت کمانے سے آدمی کو منع کیا ہے اور نہ اس کو اپنی حاجتوں اور ضرورتوں پر خرچ کرنے سے روکا ہے۔ اور نہ اس سے اجتناب کی تلقین کی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کو اپنا فضل کہا ہے اور "خیر" سے تعبیر کیا ہے اور اس لحاظ سے اس کو سامانِ آزمائش بھی قرار دیا ہے کہ اس میں اصلاح اور فساد، نیکی اور بدی، خیر اور شر دونوں پہلو ہیں ——— اگر دولت جائز ذرائع سے کمائی جائے اور صحیح طور پر خرچ کی جائے تو یہ دولت مند کے لیے بھی نعمت ہے اور جس معاشرے میں وہ رہتا ہے اس کے لیے بھی اور اُن لوگوں کے لیے بھی جو فقیر و مسکین ہیں اور حصول دولت میں ناکام رہے ہیں ——— لیکن اس دولت کو پا کر اگر آدمی سرکشی کرنے لگے تو یہی دولت اس کے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی وبال جان اور ہلاکت و بربادی کا سامان بن جاتی ہے۔

دولت چونکہ ایک بڑی قوت ہے۔ اصلاح و فساد کی جنگ میں بڑا ہتھیار ہے، معرکہ خیر و شر میں مؤثر اسلحہ ہے اس لیے اسلام نے ناجائز طور پر کمانے کی طرح اس کو بے جا طور پر صرف کرنے سے بھی منع کیا ہے۔ بلکہ اس کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔ قرآن مجید

میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے اور " رحمٰن کا بندہ" کہا گیا ہے جو اپنا مال خرچ کرنے میں اعتدال کی روش اختیار کرتے ہیں غرضیکہ دولت کمانا دولت سے کسی حد تک دلی لگاؤ ہونا ' اور دولت میں اضافے کی جائز تدابیر اختیار کرنا اسلام میں جائز ہے ــــــ ایک مسلمان اس کے خیر کے پہلو کو اختیار کر کے دنیا میں بھی عزت و سرفرازی حاصل کر سکتا ہے اور آخرت کی سرخروئی بھی مول لے سکتا ہے ۔ اور اگر کوئی شخص دولت کے دوسرے پہلو یعنی شر کو اختیار کرتا ہے تو یہی دولت سانپ بچھو ہے ' جہنم اور آگ ہے ، خسارہ اور تباہی اور بربادی ہے ــــــ اور دولت کا "شر" یہ ہے کہ آدمی اس کو ناجائز اور حرام طور پہ کمائے ' ناجائز اور حرام کاموں میں صرف کرے اور نیکی اور بھلائی کے کاموں پر صرف نہ کرے ۔ اور اگر کرے بھی تو صلاحیت سے بہت ہی کم کرے ' یا اس کے اخراجات دونوں ہی طرح کے ہوں جب بھی تباہی ہے

فقر و فاقہ مصیبت ہے

مال و دولت اگر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے تو فقر و فاقہ اور غربت و افلاس ایک ایسی مصیبت ہے جس سے آدمی کو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیئے ۔ یقیناً یہ وہ بُری بلا ہے جس سے عقیدہ اور ایمان تک ڈگمگا جاتا ہے ۔ اس کے ہولناک شب خون کو دیکھ کر ہی بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ جب فقر و فاقہ کسی علاقے کا رُخ کرتا ہے تو کفر کہتا

ہے کہ مجھے بھی ساتھ لے چل۔

● ——— خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا

"قریب ہے کہ غریبی اور فاقہ کشی کفر بن جائے"۔

● ——— آپ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتے:

"اے اللہ میں کفر اور فقر و فاقہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں"۔

"اے اللہ! میں فقر و فاقہ قلت اور ذلت سے تیری پناہ مانگتا ہوں"۔

● ——— فقر و فاقہ اخلاق اور کردار کے لیے بھی خطرناک ہے۔ کسی غریب اور تنگ دست کو اس کی بدحالی اور محرومی بعض دینی معاملات میں غیر شریفانہ اور اخلاق سے گرا ہوا رویہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اور پیٹ کی مار آدمی کے ضمیر کو سلا دیتی ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ:

"معدے کی آواز ضمیر کی آواز سے زیادہ طاقت ور ہے"۔

● بہت ممکن ہے ایک چور چوری پر اور ایک زانیہ زنا پر مجبور اس لیے ہو گئے ہوں کہ غربت و افلاس

نے ان کو اس کے لیے مجبور کر دیا ہے۔

فقر و فاقہ انسان کا ضمیر ہی مردہ نہیں کرتا، اخلاق و کردار ہی کو نہیں بگاڑتا ہے بلکہ بعض اوقات اس سے فہم و فکر کی توانائیاں بھی چھین لیتا ہے۔ اور انسان اچھا دماغ رکھنے کے باوجود اچھی بات سوچ نہیں سکتا۔ اور اس طرح اس کی تخلیقی صلاحیت ختم ہو کر رہ جاتی ہے یہ بہت ہی خطرناک چیز ہے اور کسی بھی قوم کے لیے تباہ کن ہے۔

● بدحالی اتنی خراب چیز ہے کہ بعض اوقات آدمی کا اس سے گھریلو ماحول خراب ہو جاتا ہے اور میاں بیوی کے درمیان تفریق کا باعث بن جاتا ہے۔ کنبہ کے افراد کے درمیان تعلقات کشیدہ اور خاندان کے اندر مراسم منقطع ہو جاتے ہیں۔

● کوئی قوم مجموعی اعتبار سے مفلس ہو تو وہ اپنی قوت لایموت میں دن رات سرگرداں رہنے کی وجہ سے سرحدوں کی اور ملکی دفاع کی طرف زیادہ توجہ نہیں دے سکتی۔ اس طرح اس قوم کی آزادی اور قومی تشخص خطرے میں پڑ سکتے ہیں اور بعض موقعوں پر سوچنے والے یہ سوچنے لگتے ہیں کہ جو وطن ان کا پیٹ نہیں

پال سکتا ان کی حاجتیں پوری نہیں کر سکتا، اس کے وجود یا عدم وجود کا کیا حاصل؟ اور اس ملک کی آزادی اس وقت تو اور زیادہ خطرے میں پڑ جاتی ہے جہاں حکمران گروہ یا ملک کا ایک طبقہ تو اچھا اور خوشحال ہو اور دوسرا مفلس اور قلاش ہو تو افلاس زدہ گروہ کو اس سوچ سے نہیں روکا جا سکتا کہ ایسی آزادی کا کیا فائدہ جس آزادی میں اس کے لیے کوئی سامانِ راحت نہیں ــــــ

● ــــــ فقر و فاقہ انسان کی صحت پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور

● ــــــ اس کی نفسیاتی صحت پر اثر انداز ہو کر اس کے مزاج میں تنگ دلی، چڑچڑاپن اور غم و غصہ پیدا کر دیتا ہے جو اس کی قوتِ کار کو کم کر کے اسے معاشی طور پر کمزور کر دیتے ہیں۔

غریبی اور امیری کا فرق فطری ہے

فقر و فاقہ اور معذوری و مجبوری چاہے کتنی ہی بری چیز ہو لیکن بہر حال اس کا وجود ہے اور کم و بیش دنیا کے ہر ملک میں فاقہ زدہ اور معذور و مجبور لوگ پائے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے وجود کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ ان کا عدم ممکن نہیں۔

انسانوں کے درمیان معاشی تفاوت فطری ہے ہر معاشرہ میں یہ فرق و امتیاز قائم ہے اور قائم رہے گا۔ کوئی زیادہ کمائے گا اور کوئی کم، کوئی انجینئر ہو گا اور کوئی معمار۔ کسی کے پاس بڑی دکان ہو گی اور کسی کے پاس چھوٹی، کوئی صنعت کار ہو گا اور کوئی محنت کش۔ اس تفاوت کو خود خالقِ کائنات نے قائم رکھا ہے۔ وہی اپنی مصلحتوں کی بنا پر ــــ جن کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ــــ دنیا میں انسانوں کو مختلف تقدیریں دے کر بھیجتا ہے۔ صلاحیتوں کے فرق اور جداگانہ قابلیتوں کے ساتھ بھیجتا ہے۔ کسی کو امیر اور کسی کو غریب کے گھر، کسی کو وسائل و ذرائع والے گھر میں اور کسی کو بے وسیلہ اور بے سہارا لوگوں کے گھر میں پیدا کرتا ہے۔ کوئی بہت چالاک اور کوئی بیوقوف پیدا ہوتا ہے۔ کوئی تنومند اور کوئی کمزور صحت کا ہوتا ہے۔ کوئی بالکل ٹھیک ٹھاک ہوتا ہے پھر اچانک کسی آفت میں گر کر تباہ اور خستہ حال ہو جاتا ہے۔ کوئی آنکھیں گنوا کر اندھا اور حادثات کا شکار ہو کر لنگڑا اور اپاہج ہو جاتا ہے۔ پہلے بھی ایسا ہی ہوتا تھا اور سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس دور میں بھی ایسا ہی ہو رہا ہے۔ بڑھاپے کا ضعف اور بیماری کی ناتوانی پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے۔

اسلام انسانوں کے درمیان امیری اور غریبی کے اس فرق کو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن پہاڑ اور رائی میں جو فرق ہے یا ایک

شگاف اور سمندر کی وسعتوں کے درمیان جو امتیاز ہے۔ اسلام اس امتیاز اور بُعد کو قبول نہیں کرتا بلکہ اس کو غیر فطری، نامنصفانہ، ظالمانہ اور جاہلانہ قرار دیتا ہے اور ساتھ ہی اس کا صحیح منصفانہ اور فطرت کے عین مطابق حل پیش کرتا ہے۔ اسی حل کا نام اسلام کا معاشی نظام ہے۔

اسلام کا سیاسی نظام

اسلام کا معاشی نظام اسلام کے سیاسی نظام کے تحت ہی چل سکتا ہے فقراء و مساکین، اور معذوروں اور مجبوروں کی امداد اور معاشی مجبوریوں سے ان کو ہمیشہ کے لیے نجات دلا دینے کا کام ۔ تنہا وعظ و تلقین، ہمدردانہ اپیلوں اور ترغیب و ترہیب سے نہیں لیا جا سکتا کیونکہ انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے ظلوم و جہول واقع ہوا ہے ۔ اس کی نظر تنگ ہے یہ زیادہ دُور تک نہیں دیکھ سکتا۔ اس کا دل چھوٹا ہے زیادہ بڑے اور اُونچے خیالات اس میں کم ہی سما سکتے ہیں یہ خود غرض واقع ہُوا ہے اور اپنی غرض کا بھی کوئی وسیع تصوّر اس کے دماغ میں پیدا نہیں ہوتا۔ یہ جلد باز بھی ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۔ یہ ہر چیز کا نتیجہ اور فائدہ جلد ہی دیکھنا چاہتا ہے اور اس نتیجہ کو نتیجہ اور

اسی فائدے کو فائدہ سمجھتا ہے جو جلدی سے اس کے سامنے آجائے اور اس کو محسوس ہو جائے۔ دوررس نتائج تک اس کی نگاہ نہیں پہنچتی اور بڑے پیمانے پر جو فائدے حاصل ہوتے ہیں، جن فائدوں کا سلسلہ بہت دُور تک چلتا ہے، ان کا ادراک تو اسے مشکل ہی سے ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات ہوتا ہی نہیں۔ یہ انسان کی فطری کمزوری ہے اور اس کمزوری کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہر چیز میں یہ اپنے ذاتی فائدے کو دیکھتا ہے اور فائدے بھی وہ جو بہت چھوٹے پیمانے پر ہو، جلدی سے حاصل ہو جائے اور اس کو محسوس ہو جائے ــــــــ اس خودغرضانہ ذہنیت کے ساتھ اول تو روپے والا آدمی خزانے کا سانپ بن کر رہے گا یا خرچ کرے گا تو اپنے ذاتی فائدے کے لیے کرے گا۔ جہاں اس کو اپنا فائدہ منظر نہ آجائے گا ایک پیسہ بھی اس کی جیب سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔

انسان کی انہی فطری کمزوریوں کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کو صرف ترغیب و ترہیب اور وعظ و تلقین کی حد تک نہیں رکھا ہے۔ بلکہ معاشرے کے اندر موجود، غیر فطری معاشی ناہمواریوں اور تفاوت کو دُور کرنے کے لیے اسلامی حکومت کو یہ اختیار دے رکھا ہے کہ وہ دولت مندوں سے اللہ کا مقرر کردہ حق لے کر غرباء و مساکین کو دے اور جو اس قانونِ الٰہی سے سرتابی کرے اس سے جنگ کی جائے تا آنکہ وہ چار و ناچار حق کے آگے جھک

جائے ۔ یوں اسلام وعظ و تلقین کے ساتھ حکومت اور قانون کا دباؤ بھی استعمال کرتا ہے۔

قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ کے یہ ارشادات ہیں کہ

● ـــــــ اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ وارکعوا مع الرّاکعین۔ (البقرہ۔۵)

نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

● ـــــــ لن تنالوا البرّ حتّٰی تنفقوا مما تحبون (آل عمران پ۱۰)

تم نیکی کے مقام کو نہیں پا سکتے جب تک کہ وہ چیزیں خدا کی راہ میں قربان نہ کرو جن سے تم کو محبت ہے۔

● ـــــــ من یوق شحّ نفسہٖ فاولٰئک ھُمُ المُفلِحُون۔ (الحشر:۹)

جو لوگ دل کی تنگی سے بچ گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔

● ـــــــ و ما تنفقوا من خیرٍ یوف الیکم و انتم لا تظلمون۔ (البقرہ ۳۷)

اس طرح جو کچھ بھی تم کارِ خیر میں صرف کرو گے

اس کا پورا پورا فائدہ تم کو ملے گا اور تمہارے
ساتھ ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔

(البقرہ: ۲۷۲)

• وَالَّذِین یکنزون الذَّھَبَ و الفِضَّة
ولا ینفقو نھا فی سبیل اللّٰه فَبَشِّرْھُم
بعذابٍ اَلیم۔ (توبہ: ۳۴)

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور
اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں سخت
سزا کی بشارت دے دو۔

وہاں اسی طرح کی اور بہت سی آیات آئی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے
مسلمانوں کو انفاق فی سبیل اللہ یعنی صدقات وزکوٰۃ کی تلقین کی ہے۔ ترغیب
دلائی ہے اور خوف دلایا ہے۔ اور کھلے اور چھپے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے
والوں سے بڑے بڑے انعامات کے وعدے فرمائے ہیں۔

زکوٰۃ اختیاری عمل نہیں

اب چند وہ آیات پیش کی جا رہی ہیں جن میں صدقات وزکوٰۃ کو کسی
شخص کا انفرادی اختیاری فعل نہیں بلکہ قوم کا اجتماعی لازمی فریضہ قرار دیا
جا رہا ہے اور خوشحال لوگوں کے مال و دولت میں غریب اور محتاج لوگوں
کا ضروری حق قرار دیا جا رہا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

● فات ذا القربیٰ حقّه والمسکین وابن السبیل۔ (بنی اسرائیل : ۲۶)

اپنے غریب رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین و مسافر کو۔

● وَاٰتی المال علیٰ حبه ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب (البقرہ ۲۲)

اور نیک وہ ہے جو خدا کی محبت میں مال دے اپنے غریب رشتہ داروں کو اور یتیموں اور مسکینوں کو۔ اور مسافروں اور ایسے لوگوں کو جن کی گردنیں غلامی اور اسیری میں پھنسی ہوئی ہوں۔

● وفی اموالهم حق للسائل المحروم (ذاریات ۵)

اور ان کے مالوں میں حق ہے مدد مانگنے والوں کا اور اس شخص کا جو محروم ہو۔

حکومت وصول کرے گی

اب وہ آیات پیش کی جا رہی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اسلامی حکومت

کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ دولت مندوں سے اللہ کا مقرر کردہ حق لے کر غرباء اور مساکین کو دے اور جو شخص یہ حق دینے سے انکار کرے اس سے بزور قوت یہ حق وصول کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

● ـــــ فان تابوا و اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم۔ (سورہ توبہ : ۴)

پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو انہیں چھوڑ دو۔

یعنی اگر وہ کفر و شرک سے باز آجائیں اور اسلام قبول کر کے نماز و زکوٰۃ کی پابندی اختیار کر لیں یا بالفاظِ دیگر اسلامی نظامِ زندگی میں جذب ہو جائیں تو پھر ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ اسی آیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتنۂ ارتداد کے زمانہ میں استدلال کیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جن لوگوں نے فتنہ برپا کیا تھا ان میں سے ایک گروہ کہتا تھا کہ ہم اسلام کے منکر نہیں ہیں۔ نماز بھی پڑھنے کے لیے تیار ہیں مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ صحابہ کرام کو بالعموم یہ پریشانی لاحق تھی کہ آخر ایسے لوگوں کے خلاف آواز کیسے اٹھائی جا سکتی ہے؟ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی آیت کا حوالہ دے کر فرمایا کہ ہمیں تو ان لوگوں کے چھوڑ دینے کا حکم صرف اس صورت میں دیا گیا تھا جبکہ یہ شرک سے توبہ کریں۔ نماز قائم

کریں اور زکوٰۃ دیں، مگر جب یہ تین شرطوں میں سے ایک شرط اڑائے دیتے ہیں تو پھر انھیں ہم کیسے چھوڑ دیں۔

آگے چل کر اسی سورہ کی گیارھویں آیت میں فرمایا گیا ہے

فان تابوا و اقاموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین۔

پس اگر اب یہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

یعنی محض کفر و شرک سے توبہ کرنا اور ایمان کا اقرار کر لینا کافی نہیں ہے، اس بات کا ثبوت کہ وہ واقعی کفر و شرک سے تائب ہو گئے ہیں اور حقیقت میں ایمان لائے ہیں صرف اسی طرح مل سکتا ہے کہ وہ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں۔ لہذا اگر وہ اس عمل سے اپنے ایمان کا ثبوت دے دیں تب تو تمہارے دینی بھائی ہیں ورنہ ان کو بھائی نہ سمجھو اور ان سے جنگ کرو۔

حکومت اور افراد کی ذمہ داریاں

ان مباحث کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود مصالح کے تحت انسانوں کو دو طبقوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک طبقہ مالداروں کا ہے جو اپنی کمائی کی کچھ زکوٰۃ نکالتا رہے گا اور دوسرا طبقہ غریبوں اور ناداروں کا ہے جو مال داروں کی زکوٰۃ پر زندگی بسر کرتا رہے گا بلکہ یہ ہے کہ اسلام نے اکتساب مال کے ذرائع میں جائز اور ناجائز

کی جو تفریق کی ہے، اس تفریق کو قائم رکھتے ہوئے اگر کوئی مسلمان دولت پیدا کر لیتا ہے اور خرچ کرنے کے جو اصول اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں ان کے مطابق وہ اپنی دولت صرف بھی کرتا ہے۔ پھر بھی اس کے پاس اگر زائد از ضرورت دولت باقی رہ جاتی ہے، نقدی املاک اور جائدادیں اس کے پاس ہوتی ہیں تو کیا اس کا دولت مند ہونا "مجرمانہ فعل" ہے؟ جس کی سزا اس کو یہ ملنی چاہیئے کہ اس کی تمام نجی املاک ضبط کر لی جائیں، لوٹ لی جائیں یا چھین لی جائیں ——— اسی صورت سے اگر ایک آدمی حادثہ کا شکار ہو کر مجبور ہو گیا ہے، یا یہ کہ ایک بچہ یتیم اور عورت بیوہ ہو جانے کے باعث بے آسرا اور بے سہارا ہو گئی ہے یا کارخانوں میں چھٹائی کے باعث مزدور بے کار ہو گئے ہیں یا یہ کہ کثیر الاولاد ہونے کی وجہ سے کچھ لوگ تنگ دست اور پریشان حال رہتے ہیں۔ تو کیا ایسے تمام لوگوں کو خودکشی کر لینی چاہیئے؟ یا یہ کہ ان کو زندہ رکھنے اور معاشرے کے لیے مفید اور کار آمد بنانے کے لیے مناسب تدابیر اختیار کی جانی چاہیئے۔

اسلامی حکومت میں ہی دراصل ان دونوں کے لیے خوشگوار زندگیاں ہیں۔ وہی اپنی رحمتوں کے سائے میں دونوں کو پروان چڑھاتی ہے، دولت مندوں کو ان کی دولت کے تحفظ کا یقین دلاتی ہے اور غریبوں کی بے چارگی اور حاجت مندی کا بھی یکسر خاتمہ کر دیتی ہے۔ اسلامی مملکت کی حدود میں ایک شخص اپنے دوسرے ہمسائے کے مقابلے میں معاشی اعتبار سے کم تر تو ہو سکتا ہے لیکن بدتر ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔

اپنے دوسرے رشتہ داروں کے مقابلے میں نجی جائیداد یا املاک کا ممکن ہے۔ وہ مالک نہ ہو لیکن وہ دست نگر اور سراسر محتاج بھی نہیں ہو سکتا۔

معاشرے کو خوشحال بنانے کی اسلامی تدابیر

اسلامی حکومت، اسلامی معاشرے کو خوشحال اور احتیاج میں خود کفیل بنانے کی جو تدابیر اختیار کرتی ہے ان میں ایک تو یہ ہے کہ

ا ـــــ وہ بے کاری کو ناپسند، کام اور کام کو پسند کرتی اور اہمیت دیتی ہے۔ محنت اور کام سے جی چرانے والے صحت مند صحیح الاعضا کی ہمت افزائی نہیں کرتی اور ایسے لوگوں کو بھیک دینے تک سے دوسروں کو منع کرتی ہے۔ اسلامی حکومت کے ہر فرد سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی جائز کام ضرور کرے۔ کسی جائز پیشہ کو ذلیل نہ سمجھے ہاتھ سے کام کرنے کو بُرا نہ سمجھے۔ گھر سے باہر جا کر روزی کمانے کی صورت میں کاہلی نہ برتے۔ بے جا قسم کے توکل کا سہارا لے کر دوسروں کی جیب پر بوجھ نہ ڈالے۔ ترک دنیا کے فریب میں مبتلا ہو کر اپنے کو کام کرنے کی مشکل سے بچاتے کے لیے علائق زندگی سے بے تعلق نہ رہے۔ گداگری کا پیشہ اختیار کر کے دنیا کی رسوائی اور آخرت کی بربادی مول نہ لے۔ یعنی کام کرنے چاہے وہ چھوٹا ہی کام ہو مگر بھیک نہ مانگے۔

خود کفالتی نظام

اسلام میں بلاضرورت سوال کرنے کو، اور ضرورت کی صورت میں حاکم وقت اور اپنے سرپرست کے سوا تمام لوگوں سے سوال کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اور اس کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

- بخاری اور مسلم کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں سے ہر وقت مانگتے رہنے والا شخص قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کے چہرے پر ذرہ بھر بھی گوشت نہ ہوگا۔
- ایک اور حدیث میں ہے کہ بلاضرورت مانگنے والا اپنے لیے انگارے مانگتا ہے۔
- ایک موقعہ پر جناب رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یدالعلیا خیر من ید السفلیٰ " اوپر والا یعنی دینے والا ہاتھ نیچے والے یعنی مانگنے والے سے بہتر ہے"۔
- حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جونہی دوسروں سے مانگنے کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر فقر و فاقہ کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

● ـــــــ ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ سوال کرنے میں کس قدر ذلت و رسوائی ہے تو کوئی بھی کسی کے پاس سوال کرنے کی غرض سے چل کر نہ جائے۔

● ـــــــ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص صبح کے وقت نکلے اور اپنی پشت پر جنگل سے لکڑیاں اٹھا کر لائے تاکہ وہ صدقہ کرے اور لوگوں سے بے نیاز ہو جائے، یہ اس کے لیے بہتر ہے اس سے کہ وہ کسی آدمی سے کچھ مانگے وہ چاہے تو اس کو کچھ دے دے اور چاہے تو کچھ نہ دے۔

اسلام میں اس طرح ایک طرف کام اور عمل کی ہمت افزائی کی گئی ہے اور اس کو ترجیح دی گئی ہے اور دوسری طرف مفت خوری اور بھیک منگی کی مذمت کی گئی ہے۔ تاکہ معاشرے میں احساس ذمہ داری پیدا ہو، اور ہر فرد اپنی روزی حاصل کرنے کی ہر ممکن جدوجہد کرے۔

اسلام ایک فطری مذہب ہے وہ چند تدابیر بتا دینے، چند ہدایات نوٹ کرا دینے اور چند احکامات کی تعمیل پر زور دینے ہی پر اکتفا نہیں کرتا ہے بلکہ اس نے انسان کو پیش آنے والی تمام دشواریوں کی نشان دہی کر کے ان کے ازالے کا انتظام بھی کر دیا ہے، مثلاً یہ کہ

اسلامی مملکت کا ہر شہری اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھتا ہے اور اپنی کفالت کے لیے پوری جدوجہد کرتا ہے۔ تاہم معاشرے میں کچھ ایسے لوگ ضرور باقی رہ جاتے ہیں جو معاشی جدوجہد نہیں کر سکتے جیسے بالکل بے سہارا بیوہ، چھوٹے نادار یتیم بچے، مزمن امراض میں مبتلا مفلس مریض، نہایت ضعیف مرد اور عورتیں۔ اچانک ہاتھ پاؤں سے معذور ہو جانے والے لوگ ـــــ اسلام ان کو سڑکوں پر بھیک مانگنے اور فٹ پاتھوں پر مر جانے کے لیے ہرگز نہیں چھوڑتا ہے ـــ بلکہ ان کے لیے دو انتظامات کرتا ہے۔

ایک قرابت داری اور صلہ رحمی کا انتظام اور دوسرا سرکاری وظیفے کا اجراء۔

۲ ـــــ قرابت داری اور صلہ رحمی کا انتظام یہ فرمایا ہے کہ قریبی رشتہ دار اپنے معذور و مجبور رشتہ داروں کی پوری کفالت کریں ـــــ قرآن و حدیث میں ان کے ساتھ بھلائی اور نیکی کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور قطع رحمی اور قرابت داروں سے بدسلوکی کرنے والوں کو سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

معاشرتی کفالتی نظام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان و ایتاءِ ذی القربیٰ (النحل - ۹۰)

اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے

سورۂ نساء آیت ۳۶ میں ہے :

"اور تم سب اللہ کی بندگی کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔ قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتہ دار سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی اور مسافر سے اور اُن لونڈی غلاموں سے جو تمھارے قبضہ میں ہوں احسان کا معاملہ کرو۔ یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی پہ فخر کرے۔"

و اٰت ذالقربی حقہ و المسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا (الاسرا ۲۶)

رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق اور فضول خرچی نہ کرو۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :

" جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیئے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔"

● ـــــــ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کرنے کو واجب قرار دیا ہے۔

● ـــــــ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ رحم عرشِ الٰہی سے لٹکا ہوا ہے کہتا ہے جو مجھے جوڑے اسے قرب الٰہی نصیب ہو اور جو مجھے توڑے وہ بارگاہِ الٰہی سے کٹ جائے۔" (بخاری و مسلم)

● ـــــــ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھائی بہن کے حق کو ماں باپ کے حق کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اپنے ماں باپ سے بھلائی کر اور اپنے بہن بھائی سے بھلائی کر۔ پھر رشتہ میں جو ان سے قریب ہوں پھر جو ان سے قریب تر ہوں۔

فقہائے اُمت کا اس بات پر اجماع ہے کہ خاوند کو اپنی بیوی کے نان و نفقہ اور والد کو اپنی لڑکی کے نفقہ اور بیٹے کو والدین کے نفقہ کے لیے مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اسلامی حکومت کا قاضی دوسرے رشتہ داروں کے نفقہ کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔

قرابت داروں اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی اور احسان کو سب فقہاء نے دینی نقطۂ نگاہ سے ضروری قرار دیا ہے۔

۳ ـــــــ ان دو طریقوں یعنی کام کر کے روزی کمانے "یعنی "خود کفالتی نظام" یا قریبی رشتہ داروں کے ذریعہ

کفالت یعنی "اسلام کا معاشرتی کفالتی نظام"
بھی کسی کے حق میں قائم نہ ہو رہا ہو۔ یعنی نہ تو اپنی کسی
معذوری و مجبوری کی وجہ سے وہ خود کام کر کے کما
سکتا ہو، اور نہ اُس کے کوئی ایسے رشتہ دار ہوں جو
اس کی کفالت کر سکیں تو ان ضیف العقل، دائم المرض
اندھے یا بیماری و تکلیف میں مبتلا لوگوں کی کفالت
کی ذمہ دار اسلامی ریاست ہو گی۔

اسلامی ریاست مجبور و معذور، فقیر و مسکین اور
دوسرے تمام حاجت مندوں کی کفالت کا بھرپور انتظام
کرے گی اور اس انتظام کو چلانے کے لیے دولتمندوں
کے مالوں سے مقررہ حق وصول کرے گی۔ اسی لازمی
حق کی وصولی کا نام زکوٰۃ و صدقات اور عُشر ہے

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ کہ اسلام اپنے معاشی نظام میں جس مطمح نظر کو سامنے
رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ دولت ایک یا چند جگہوں میں بہت زیادہ اکٹھی
نہ ہونے پائے۔ وہ چاہتا ہے کہ جماعت کے جن افراد کو اپنی بہتر
قابلیت یا خوش قسمتی کی بناء پر ان کی ضرورت سے زیادہ دولت میسر
آگئی ہو وہ اس کو سمیٹ کر نہ رکھیں بلکہ خرچ کریں اور ایسے مصارف

میں خرچ کریں جن سے دولت کی گردش میں سوسائٹی کے کم نصیب افراد کو بھی کافی حصّہ مل جائے اس غرض کے لیے اسلام ایک طرف اپنی بلند اخلاقی تعلیم اور ترغیب و ترہیب کے نہایت مؤثر طریقوں سے فیاضی اور حقیقی امداد کی اسپرٹ پیدا کرتا ہے، تاکہ لوگ خود اپنے میلان طبع ہی سے دولت کو جمع کرنے کو بُرا سمجھیں اور اسے خرچ کر دینے کی طرف راغب ہوں۔ دوسری طرف وہ ایسا قانون بناتا ہے کہ جو لوگ فیاضی کی اس تعلیم کے باوجود اپنی افتاد طبع کی وجہ سے روپیہ جوڑنے اور مال جمع کرنے اور سمیٹنے کے خوگر ہوں، یا جن کے پاس کسی نہ کسی طور پر مال جمع ہو جائے ان کے مال میں سے بھی کم از کم ایک حصّہ سوسائٹی کی فلاح و بہبود کے لیے ضرور نکلوا لیا جائے۔ اسی کا نام زکوٰۃ ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں اس کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ اس کو ارکانِ اسلام میں شامل کر لیا گیا ہے اور نماز کے بعد سب سے زیادہ اسی کی تاکید کی گئی ہے اور صاف صاف کہہ دیا گیا ہے کہ جو شخص دولت جمع کرتا ہے اس کی دولت اس کے لیے حلال و پاک ہی نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ زکوٰۃ نہ ادا کرے۔

شہادت توحید و رسالت اور اقامت صلوٰۃ کے بعد زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ قرآن مجید میں ستر سے زیادہ مقامات پر اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا ذکر اس طرح ساتھ ساتھ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں ان دونوں کا مقام اور درجہ قریب قریب

ایک ہی ہے۔
زکوٰۃ نفس کی تطہیر اور تزکیہ کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،
خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ
تُزَكِّيهِم بِهَا۔ (سورۂ توبہ رکوع ۱۲)
"اے آپ مسلمانوں کے اموال میں سے زکوٰۃ وصول
کیجیے جس کے ذریعہ ان کے قلوب کی تطہیر اور ان کے
نفوس کا تزکیہ ہو۔"

زکوٰۃ ـــ معنی اور مفہوم

زکوٰۃ کے لغوی معنی بڑھنے، برکت، نشوونما، مدح وستائش پاکیزگی اور کسی چیز کا پاکیزہ، منتخب حصّہ۔
زکوٰۃ بمعنی تزکیہ مصدر بھی ہے جس کا مطلب ہوتا ہے نشوونما کرنا، بڑھانا، بار آور کرنا، پاک کرنا اور اصلاح کرنا بھی ہیں اور شرعی اصطلاح میں زکوٰۃ اس مال کو کہتے ہیں جسے انسان اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے کچھ مال اس کے حقداروں کے لیے نکالتا ہے۔ اپنے مال میں سے ایک حصّہ حاجت مندوں اور مسکینوں کے لیے نکالنے کو زکوٰۃ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس طرح کا مال اور اس مال کے ساتھ خود آدمی کا نفس بھی پاک ہو جاتا ہے۔ جو شخص خدا کی بخشی ہوئی دولت میں سے خدا کے بندوں کا حق نہیں نکالتا اس کا مال ناپاک

ہے اور مال کے ساتھ اس کا نفس بھی ناپاک ہے، کیونکہ اس کے نفس میں ناپاکی بھری ہوئی ہے۔ اس کا دل اتنا تنگ ہے، اتنا خودغرض ہے اتنا زر پرست ہے کہ جس خدا نے اس کو حقیقی ضروریات سے زیادہ دولت دے کر اس پر احسان کیا ہے اس کے احسان کا حق ادا کرتے ہوئے بھی اس کا دل دکھتا ہے۔ ایسے شخص سے کیا اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ دنیا میں کوئی نیکی بھی خدا کے واسطے کرے گا۔ کوئی قربانی بھی محض اپنے دین اور ایمان کی خاطر برداشت کرے گا۔ لہٰذا ایسے شخص کا دل بھی ناپاک اور اس کا وہ مال بھی ناپاک ہے جسے وہ اس طرح جمع کرے گا۔

زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کا ازلی اور ابدی حکم ہے، تمام انبیاء کی اُمتوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم تسلسل کے ساتھ دیا گیا ہے اور دینِ اسلام کبھی کسی نبی کے زمانے میں بھی ان دو چیزوں سے خالی نہیں رہا ہے۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل کے انبیاء کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَوٰةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَوٰةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ (الانبیاء: ۷۳)

ہم نے ان کو انسانوں کا پیشوا بنایا وہ ہمارے حکم کے

مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے وحی کے ذریعہ ان کو نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی تعلیم دی اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے:

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا۔ (سورۂ مریم: ۵۵)

وہ اپنے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے اور وہ اللہ کے نزدیک برگزیدہ تھے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ سو ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کا ساتھ ساتھ حکم دیا۔

سورۂ مریم میں ہے:

وَجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا أَيْنَمَا كُنْتُ وَأَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا

(مریم: ۳۱)

اللہ نے مجھے برکت دی جہاں بھی میں ہوں اور مجھے ہدایت فرمائی کہ نماز پڑھوں اور زکوٰۃ دیتا رہوں جب تک زندہ رہوں۔

ان آیات سے معلوم ہو گیا کہ دین اسلام ابتداء سے ہر نبی کے زمانہ میں نماز اور زکوٰۃ کے ان دو بڑے ستونوں پر قائم ہوا ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ خدا پر ایمان رکھنے والی کسی اُمت کو بھی ان دو فرضوں سے معاف کیا گیا ہو۔

قرآن مجید نے زکوٰۃ "ربٰو" کے بالمقابل بیان کیا ہے۔ "ربوا" میں جہاں محتاجوں سے ناجائز فائدہ اُٹھایا جاتا ہے وہاں زکوٰۃ کے ذریعہ آسودہ حال افراد اور محتاجوں کے درمیان محبت و رافت شرافت ہمدردی و اخلاص حقوق طلبی اور حق رسی کا ایک شریفانہ، ہمدردانہ اور متوازن رابطہ قائم کیا جاتا ہے اور یہ زکوٰۃ 'میں' انفاق' کے تمام طریقے چاہے وہ حق معلوم ہوں، خواہ مسکینوں کو کھانا کھلانا، قرض حسن دینا اور جہاد بالاموال ہو سب شامل ہے۔

زکوٰۃ ایک لازمی ادائیگی ہے جو خوشحال شخص کے لیے جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتا ہے۔ چاہے وہ اسلامی ریاست کا شہری ہو، چاہے غیر مسلم حکومت کی رعایا ہو۔ البتہ غیر مسلم حکومت کے مسلمان شہری نجی طور پر اپنی زکوٰۃ نکال کر ضرورت مند مسلمان بھائیوں میں تقسیم کریں گے۔ کیونکہ وہاں حکومت کی طرف سے اس کی وصولی اور تقسیم کا قدرتی طور پہ کوئی انتظام نہیں ہوگا۔

زکوٰۃ کی اہمیت وفضیلت

زکوٰۃ اسلام کا دوسرا اہم رکن ہے اس کی فرضیت قطعی ہے، اس کا منکر کافر ہے اور اس کا تارک فاسق ہے۔ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والے کسی مومن ومسلم کے لیے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کرنا جائز نہیں، پہلو تہی کرنا، حیلے بہانے کرنا بھی جائز نہیں۔ اور یہ بھی جائز نہیں کہ قابلِ زکوٰۃ مال کو اپنی ملکیت سے نکال کر دوسروں کی ملکیت بنا دیا جائے۔ تاکہ متفرق ہو جانے کی وجہ سے کسی ایک کے پاس اتنا مال جمع ہونے ہی نہ پائیں کہ ان کی زکوٰۃ نکالی جا سکے — غرضیکہ کسی طریقے سے بھی اور کوئی وجہ بھی پیدا کر کے کسی مال کی زکوٰۃ ساقط کرنے کی ترکیب نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ بڑے زیاں کا سبب ہے تھوڑا سا مال بچانے کی کوشش میں پورے مال کے ضائع ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے اور آدمی کی آخرت تباہ ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو شرک سے توبہ، اور اقامت صلوٰۃ کے ساتھ دین اسلام میں داخل ہونے، مسلمانوں کی اخوت کا حق دار بننے اور مسلم سوسائٹی کا ایک باعزت فرد ہونے کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ کوئی کافر جب تک شرک سے توبہ نہ کرلے اور نماز قائم نہ کرے۔ جو مسلمانوں کے درمیان دینی اتحاد کا ذریعہ ہے۔ اور زکوٰۃ ادا نہ کرے جو ان کے درمیان اجتماعی مالی رابطے کا کام کرتی ہے، وہ مسلمانوں

کی جماعت میں شامل نہیں ہو سکتا نہ وہ اس دینی رشتہ اخوت میں منسلک ہو سکتا ہے جو اسے جماعتِ مسلمین کا ایک فرد بنا دیتا ہے اور اسے ان کا نفع ونقصان میں برابر کا شریک ٹھہراتا ہے۔

● ــــــ زکوٰۃ ادا کرنا مومنین متقین اور محسنین کے اوصاف ہیں۔ اور اس کا ادا نہ کرنا مشرکین اور منافقین کی خصوصیات ہیں۔ یہ ایمان کی کسوٹی اور اخلاص کی برہان ہے۔ "الصدق برھان" اور زکوٰۃ اسلام اور کفر۔ اور ایمان ونفاق اور تقویٰ وفسق وفجور کے درمیان حد فاصل ہے۔ لہذا کوئی شخص زکوٰۃ ادا کیے بغیر ان مومنین کے زمرے میں شامل نہیں ہو سکتا جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے اُخروی فوز وفلاح کا قطعی وعدہ فرمایا اور اس بات کی ضمانت دی ہے کہ وہ جنت الفردوس کے وارث ہوں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے،

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۔ (سورہ المومنون)

یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں، لغویات سے

دور رہتے ہیں۔ زکوٰۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں۔

● ـــــــ زکوٰۃ ادا کیے بغیر کسی کا نیکوکاروں میں شمار نہیں ہو سکتا۔ ارشاد ہے:

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۔

(سورۂ لقمان آیت ۲ تا ۴)

یہ کتاب ہدایت و رحمت ہے نیکوکار لوگوں کے لیے جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

ان آیات میں نیکوکار لوگوں کی تین اہم صفات کا خاص طور پر ذکر کیا گیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ باقی ساری نیکیوں کا دار و مدار انہی تین چیزوں پر ہے۔ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ جس سے خدا پرستی اور خدا ترسی ان کی مستقل عادت بن جاتی ہے۔ زکوٰۃ دیتے ہیں جس سے ایثار و قربانی کا جذبہ ان کے اندر مستحکم ہوتا ہے۔ متاعِ دنیا کی محبت دبتی ہے اور رضائے الٰہی کی طلب اُبھرتی ہے اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں جس سے ان کے اندر ذمہ داری و جوابدہی کا احساس اُبھرتا ہے، جس کی بدولت وہ اس جانور کی طرح نہیں رہتے جو

چراگاہ میں چھوٹا پھر رہا ہو۔

● زکوٰۃ ادا کیے بغیر آدمی سچا، ایمان دار اور پرہیزگار نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

لکن البرّ من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر والملٰئکۃ والنبیین واٰتی المال علیٰ حبّہٖ ذوی القربیٰ والیتٰمیٰ والمسٰکین وفی الرّقاب واَقام الصّلوٰۃ واٰتی الزّکوٰۃ اُولٰئک الذین صدقوا واولٰئک ھُمُ المتقون۔ (سورہ بقرہ ا۔ ۱۷۷)

بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو، یوم آخرت کو اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتہ داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔

● زکوٰۃ ادا کیے بغیر آدمی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق

نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور اس کے فضل وکرم کے مستحق صرف وہ لوگ ہوتے ہیں جو نافرمانی سے پرہیز کرنے والے زکوٰۃ دینے والے اور آیات الٰہی پر ایمان رکھنے والے ہوں گے۔

وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ فَسَاَکْتُبُھَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ۔ (اعراف ۱۰۶؍۱)

میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے اور اسے میں ان لوگوں کے حق میں لکھوں گا جو نافرمانی سے پرہیز کریں گے زکوٰۃ دیں گے اور میری آیات پر ایمان لائیں گے۔

● ——— زکوٰۃ کی ادائیگی عادت بخل سے دُور رکھتی ہے۔ مومن مرد اور مومن عورتیں جن صفات کی حامل ہوتی ہیں ان میں ایک بڑی صفت ادائیگی زکوٰۃ بھی ہے۔ زکوٰۃ ادا کرتے رہنے اور راہِ حق میں مال صرف کرتے رہنے کی وجہ سے ان کے مزاج میں بخل نہیں رہتا ہے۔ ایک بخیل سے دوستی اور رفاقت، ہمدردی اور وفاداری کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ لیکن جو لوگ اس مرض سے پاک ہوتے ہیں ان کے درمیان دوستی اور رفاقت پیدا

ہو سکتی ہے۔

والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاءُ بعض

یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر

ویقیمون الصلوٰۃ و یوتون الزکوٰۃ وَ

یطیعون اللہ و رسولہ اُولٰئک سیرحمھُمُ

اللہ۔ (سورہ توبہ آیت ۷۱)

مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے ولی اور مددگار ہیں اور ان مومن مردوں اور عورتوں کی صفات یہ ہیں کہ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں بدی سے روکتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور خدا اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں ایسے ہی لوگوں پر اللہ رحمت کرے گا۔

اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ کوئی شخص مسلمانوں کا دینی بھائی بن ہی نہیں سکتا جب تک وہ اقرار ایمان کر کے عملاً نماز اور زکوٰۃ کی پابندی نہ کرے، ایمان نماز اور زکوٰۃ یہ تین چیزیں مل کر ایماندارون کی جماعت بناتی ہیں۔ جو لوگ ان تینوں کے پابند ہیں وہ اس پاک جماعت کے اندر ہیں اور انھی کے درمیان دوستی محبت اور رفاقت اور باہم مدد و امداد کا تعلق ہے اور جو ان کے پابند ہیں ان کے

درمیان اول تو رفاقت اور دوستی ہو نہیں سکتی اور اگر ہو گی بھی تو مصنوعی اور چھوٹے اغراض پر مبنی جن میں نہ اخلاص ہوگا اور جذبہ وفاداری۔

● ـــــ زکوٰۃ ادا کیے بغیر کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کی اس مدد کا حقدار نہیں بن سکتا جس کا اُس شخص سے اس نے وعدہ کر رکھا ہے جو اس کی مدد کرے۔

ولینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقویٌّ عزیز الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصّلوٰۃ و اتو الزکوٰۃ و امرو بالمعروف ونھو عن المنکر و للہ عاقبۃ الامور

(سورۃ الحج آیت ۴۰)

اور اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے اللہ بڑا طاقت ور اور زبردست ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے

ہاتھ میں ہے۔

اِس آیت میں مسلمانوں، اسلامی مملکت کے سربراہ اور اسلامی حکومت کو چلانے والے حکام سے جو باتیں کہی گئی ہیں وہ یہ کہ اگر زمین میں اقتدار حاصل کر کے تم نماز قائم کرو گے اور زکوٰۃ ادا کرو گے اور نیکیاں پھیلاؤ گے اور بدیوں کو مٹاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہوگا اور ظاہر ہے کہ جس کا وہ مددگار ہوگا اسے کون دبا سکتا ہے لیکن اگر تم نے زکوٰۃ سے منہ پھیرا اور زمین میں اقتدار حاصل کر کے نیکیوں کی بجائے بدیاں پھیلائیں اور اچھائیوں کو مٹانا شروع کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے کی بجائے اپنا کلمہ بلند کرنے لگے اور خراج وصول کر کے اپنے لیے زمین پر جنتیں بنانے ہی کو وراثت ارضی کا مقصد سمجھ لیا تو سن رکھو کہ اللہ کی مدد تمہارے ساتھ نہ ہوگی۔ پھر شیطان ہی تمہارا مددگار رہ جائے گا اور وہ کبھی کسی کا سچا مددگار نہیں ہوتا۔ بلکہ مدد کے پردے میں گمراہ کرتا رہتا ہے۔

● —— قرآن مجید کی ہدایت سے فیضیاب ہونے کا انہی لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ

بالغیب و یقیمون الصلوٰۃ و ممّا
رزقنٰھم ینفقون

یہ کتاب ان پرہیزگار لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

زکوٰۃ عبادت ہے

زکوٰۃ کا شمار عبادات میں ہے، کیونکہ ایک مومن بندہ جس طرح نماز کے قیام اور رکوع اور سجود کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بندگی اور تذلل و نیازمندی کا مظاہرہ جسم و جان اور زبان سے کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضاء و رحمت اور اس کا قرب اس کو حاصل ہو اسی طرح زکوٰۃ ادا کر کے وہ اس بارگاہ میں اپنی مالی نذر اسی غرض سے پیش کرتا ہے اور اس بات کا عملی ثبوت دیتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اسے اپنا نہیں بلکہ خدا کا سمجھتا اور یقین کرتا ہے اور اس کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے وہ اس کو قربان کرتا اور نذرانہ چڑھاتا ہے۔

زکوٰۃ اعانت ہے

زکوٰۃ کا دوسرا اہم پہلو اعانت ہے کیونکہ زکوٰۃ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ضرورت مند اور پریشان حال بندوں کی خدمت و اعانت ہوتی ہے اور اس نظام کو اگر صحیح طور پر اس کی پوری رُوح کے ساتھ چلایا جائے تو یہ اعانت سے آگے بڑھ کر مسلم معاشرے کی خوشحالی اور اطمینان کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

زکوٰۃ افادیت ہے

زکوٰۃ میں افادی پہلو بھی بہت زیادہ ہے، کیونکہ انسان کے اندر حب مال اور زر پرستی کا جذبہ پایا جاتا ہے، وہ نیکی کی راہ میں مال خرچ کرنے میں بخیل بھی واقع ہوا ہے، جو ایمان کش ہے اور نہایت مہلک روحانی بیماری ہے، زکوٰۃ اس کا علاج ہے اور اس کے گندے اور زہریلے اثرات سے نفس کی تطہیر اور تزکیہ کا ذریعہ ہے۔

صدقہ کا ایک لقمہ پہاڑ بن جاتا ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالتآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صدقہ کی فضیلت بیان کرتے

ہوئے فرمایا کہ:

"اللہ تعالیٰ صدقہ میں دیئے ہوئے صرف پاکیزہ مال ہی کو شرف قبولیت بخشتا ہے۔ وہ انھیں اپنے داہنے ہاتھ میں لے لیتا ہے پھر صدقہ دینے والے کے لیے اس صدقہ کی اس طرح پرورش اور نشوونما کرتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے یا اونٹ کے بچے کی پرورش کرتا ہے تا آنکہ صدقہ کا ایک لقمہ بڑھ کر اُحد کے پہاڑ کے برابر ہو جائے گا۔"

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اللہ تعالیٰ ربوٰ کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

بُری موت مرنے سے بچاتا ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"صدقہ آدمی کو بُری طرح اور بُری موت مرنے سے بچاتا ہے اور یہ کہ صدقہ سائل کے ہاتھ میں جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں پہنچتا ہے۔

مال کی حفاظت ہوتی ہے

زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب کوئی بندہ اخلاص اور حسن نیت سے صدقہ ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے باقی اعمال کی احسن طریقے سے حفاظت فرماتا ہے۔"

صدقہ تھوڑا بھی بہت ہوتا ہے

بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ میں دی ہوئی ایک کھجور بھی وزن رکھتی ہے اور انگور کا ایک دانہ بھی بہت سارے دانوں کے برابر ہوتا ہے۔

- عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جہنم کی آگ سے بچو خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعہ ممکن ہو۔
- زینب بن نصر کہتی ہیں کہ میں کوفہ کی رہنے والی عورتوں کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں پہنچی۔ ان کے پاس انگور رکھے تھے۔ ابھی ہم ان کے پاس ہی تھے کہ ایک سائل آگیا اُنھوں نے کچھ دانے اس میں سے اس سائل کو دے دیئے اس پر ہم آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگیں اُنھوں نے دریافت کیا۔ کیا تم کوفہ کی رہنے

والی ہو۔

ہم نے کہا ہاں

تو انھوں نے کہا:

"ان دانوں میں جن کو تم دیکھ رہی ہو بہت سے ذروں کے برابر وزنی ہے"

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ تم میں سے جو شخص اپنی گاڑھی محنت کی کمائی سے ایک درہم بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے خدا کی قسم وہ میری نظر میں ان دس ہزار درہموں سے افضل ہے جو ہم میں سے خوشحال آدمی خرچ کرتا ہے۔ خوش حال آدمی کا دس ہزار درہم نکالنا ایسا ہی ہے جیسے سمندر سے شبنم کا ایک قطرہ نکال دیا جائے۔

نہ دینا سنگین جرم ہے

زکواۃ ادا نہ کرنا اسلام میں سنگین جرم قرار دیا گیا ہے۔ جو شخص بخوشی اپنی ضرورت سے زیادہ مال میں سے خدا کا حق نہیں نکالتا ہے اور اس کے بندوں کا مدد نہیں کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے کسی کام کا نہیں وہ اس لائق بھی نہیں کہ اہلِ ایمان کی جماعت میں داخل کیا

جائے۔ وہ تو ایک سڑا ہوا عضو ہے جسے جسم سے الگ ہی کر دینا بہتر ہے ورنہ سارے جسم کو سڑا دے گا ـــــــ یہی وجہ ہے کہ سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب عرب کے بعض قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے اس طرح جنگ کی جیسے کافروں سے جنگ کی جاتی ہے، حالانکہ وہ نماز پڑھتے تھے اور خدا و رسول کا اقرار کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے بغیر نماز روزہ اور ایمان کی شہادت سب بیکار ہیں کسی چیز کا بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

● ـــــــ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اس کی نماز ہی نہیں ہوتی نماز اسلام کا ستون ہے اور زکوٰۃ اسلام کا پُل ہے جو اس پر سے پار گزر گیا وہ نجات پا گیا اور جو اس سے ادھر اُدھر ہو گیا وہ ہلاکت میں جا پڑا۔

قارون کا حشر ہو گا

جو شخص اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ وہ اپنے مال و دولت کا حقیقی مالک اور اپنے مال تصرف میں مختار کل نہیں ہے۔ وہ چاہے تو خدا کی راہ میں خرچ کرے اور چاہے تو بخل سے کام لے۔ یا اپنی خواہشات نفسانی کی تسکین کے لیے بے جا طور پر خرچ کرتا رہے یہ کلیتاً سرمایہ دارانہ

نقطۂ نظر بلکہ خصلت قارونی کا نقطہ نظر ہے۔ جو اپنی دولت مندی کو اپنا کمال کہتا تھا اور خدا تعالیٰ کی نعمت کا منکر تھا اور اپنی قوم کا حق مار لیتا تھا۔ اسی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اس کو مال و دولت اور گھر بار سمیت زمین میں دھنسا دیا۔

فخسفنا بہ وبدارہ الارض فما کان لہ من فئۃٍ ینصرونہ من دون اللہ وما کان من المنتصرین۔ (سورۃ القصص ۸۱)

آخر کار ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا پھر کوئی اس کے حامیوں میں نہ تھا جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود اپنی مدد آپ کر سکا۔

گلے کا طوق بن جائے گا

اسلام نے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو دنیا اور آخرت میں سخت سزا کا حق دار قرار دیا ہے۔

سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولا تحسبن الذین یبخلون بما

انھم اللہ من فضلہ ھو خیر لھم بل ھو شر لھم سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیامۃ (ع ۱۸۰)

اور جو لوگ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں بخل کرتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ بخل ان کے لیے مفید ہے بلکہ وہ یقین کر لیں کہ وہ ان کے لیے بُرا ہے عنقریب قیامت کے دن جس چیز کے ساتھ اُنھوں نے بخل کیا ہے اس کا طوق ان کو پہنا دیا جائے گا۔

جسم داغے جائیں گے

سورۂ توبہ آیت ۳۴۔ ۳۵ میں ہے:

● ـــــ دردناک سزا کی خوش خبری دو ان لوگوں کو جو سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انھیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونے اور چاندی پر جہنم کی آگ دھکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا۔ لو اپنی

سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔

گنجا سانپ ڈسے گا

بخاری شریف کی حدیث ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

جسے اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ نہ دے اس کے لیے اس کا مال قیامت کے دن ایک گنجے سانپ کی شکل میں پیش کیا جائے گا جس کے زہر بھرے مٹکے ہوں گے اس سانپ کو آدمی کے گلے میں طوق بنایا جائے گا۔ پھر وہ اس کے دونوں جبڑوں کو ڈسے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں تیرا اندوختہ ہوں۔

دنیوی سزائیں

یہ تو ہوئیں زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی اُخروی سزائیں لیکن زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے افراد کو انفرادی طور پر اور پوری قوم کو اجتماعی طور پر بھی دنیا میں بھی سزائیں ملتی ہیں۔ دنیوی سزاؤں کے بارے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

● ــــــ جب لوگوں نے زکوٰۃ دینی چھوڑی، اللہ تعالےٰ

نے انھیں بھوک اور قحط میں مبتلا کر دیا۔

● ایک دوسری حدیث میں ہے جب بھی کسی قوم نے اپنے مالوں کی زکوٰۃ دینی بند کی ان پر آسمانوں سے بارانِ رحمت کو روک دیا گیا۔ اگرچہ پائے نہ ہوں تو ان پر کبھی بارش نہ برسائی جائے۔

● دنیا میں ایک سزا یہ بھی مل سکتی ہے کہ اگر کسی یتیم اور بے سہارے لڑکے کو ایک مال دار آدمی آج سہارا نہیں دیتا ہے اس کی تعلیم و تربیت اور کفالت کا بندوبست نہیں کرتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ وہی لڑکا بُرے لوگوں کی صحبت میں پڑ کر بُرا ہو جائے، یا یہ کہ محرومیوں کا شکار ہو کر انتقامی جذبات کا حامل ہو جائے یا یہ کہ چور، ڈاکو، پیشہ ور قاتل اور رہزن بن جائے اور پھر وہ شخص بھی جس نے مجبوریوں کے زمانے میں اس یتیم اور بے سہارا لڑکے کو سہارا دینے سے انکار کر دیا تھا۔ خود اس بات کا شکار ہو جائے۔ اسی کے گھر میں نقب لگ جائے اور ڈکیتی ہو جائے۔

● **زکوٰۃ نہ دینے سے مال کے تلف ہونے کا خطرہ**

رہتا ہے اور یہ بات عام آدمی کے تجربات میں آتی رہتی ہے۔ کبھی آگ لگ جاتی ہے، کبھی چوری ہو جاتی ہے، کبھی مویشی اچانک مر جاتے ہیں، کبھی زمینیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ وغیرہ۔

● ـــــــ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ فرماتے تھے کہ مال زکوٰۃ جب دوسرے مال میں مخلوط ہو گا تو ضرور اس کو تباہ کر دے گا۔" یعنی یہ کہ اگر کسی آدمی پر زکوٰۃ واجب ہو اور وہ اس کو ادا نہ کرے تو بے برکتی سے اس کا باقی مال بھی تباہ ہو جائے گا۔

دنیا میں حکومت کی گرفت

پچھلی بحثوں میں جن سزاؤں کا ذکر کیا گیا ہے وہ سب تکوینی اور تقدیری سزائیں ہیں جو کائنات اور خالق تقدیر کی طرف سے ملتی ہیں لیکن ان کے علاوہ ایک دنیوی سزا ہے جسے شرعی اور قانونی سزا کہتے ہیں۔ جو فرد کو انفرادی حیثیت میں اور جماعت کو اجتماعی حیثیت میں دی جاتی ہے اس سزا کا نافذ کرنا اسلامی معاشرے میں اولوالامر کے ذمے ہے۔

اسلام کا صاحب امر جب تک اس نظم کو پوری قوت سے نافذ نہیں کرے گا اسلامی حکومت میں استحکام قائم نہیں ہو سکتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا نظام جب تک قوت سے جاری رہا مسلمانوں میں افتراق اور تشتت جگہ نہ پا سکا۔ لیکن جونہی اس نظام میں خلل پڑا مسلمانوں کو ہوا خیزی ہو گئی۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس نظام کے استحکام پر کتنی توجہ دی ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی ادائیگی پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ:

"جس نے اجر و ثواب کی نیت سے اسے ادا کیا اس کے لیے اس کا اجر ہے اور جو اسے ادا نہیں کرتا ہم اس سے زکوٰۃ وصول بھی کریں گے اور اس کا آدھا مال بھی لیں گے، جو ہمارے رب کی طرف سے عائد کردہ تاوان ہو گا۔ اور جس میں آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے کوئی چیز جائز نہیں۔"

اس حدیث سے یہ واضح ہو کر یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ حکومت اسلامی کے سربراہ کے لیے یہ جائز ہے کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کے آدھے مال کو وہ بحق سرکار ضبط کر لے۔ یہ ایک قسم کی مالی سزا ہے جسے حاکم بوقتِ ضرورت دے سکتا ہے تاکہ وہ زکوٰۃ "چور دل" کو

سیدھا کرسکے۔

علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"زکوٰۃ نہ دینے والے کے متعلق حکم یہ ہے کہ اس سے زکوٰۃ لی جائے قطع نظر اس سے کہ وہ دینا چاہے یا نہ چاہے۔ کیونکہ اگر وہ زکوٰۃ نہیں دے رہا ہے تو گویا وہ اسلامی نظام کے خلاف برسرِ جنگ ہے اگر وہ سرے سے زکوٰۃ کی فرضیت ہی سے انکار کر رہا ہے تو گویا وہ مرتد ہے لیکن اگر وہ صرف مال کی محبت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اسے چھپا رہا ہے تو یہ ایک جرم ہے جس کی سزا دینا یا مارنا حکومت وقت پر واجب ہے، اس قسم کے زکوٰۃ چوروں کو یہ سزا بھی دی جا سکتی ہے کہ ان کا آدھا مال بھی چھین لیا جائے۔ لیکن یہ سزا کوئی لازمی اور دائمی سزا نہیں ہے، بلکہ ایک طرح کی تنبیہی سزا ہے جو حاکم وقت کی صوابدید کے مطابق دی جا سکتی ہے۔"

● —— اسلامی مملکت کا سربراہ یہ سزا تو ان لوگوں کو دے گا جنھوں نے انفرادی حیثیت میں اس جرم کا

ارتکاب کیا ہے لیکن اگر کسی سرکش جماعت نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے تو اس کے خلاف اعلان جنگ کرنا اور تلوار کی باڑ پر ان کو رکھ لینا اسلامی ریاست کی عین ذمہ داری ہو گی تاکہ یہ فتنہ پھر کبھی سر نہ اُٹھا سکے۔

زکوٰۃ کس پر اور کن چیزوں پر

● —— کسی بھی شخص پر زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو، عقل والا ہو اور سن بلوغ کو پہنچا ہوا ہو۔

اسلام کی شرط لگانے سے، کافر نکل گئے۔ یعنی کافر اگر مسلم ریاست میں بطور شہری رہتے ہوں تو ان سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔ کیونکہ زکوٰۃ ایک عبادت ہے جس کا صلہ جنت ہے اور کوئی شخص جو ایمان کی دولت سے خالی ہو چونکہ جنت میں نہیں جا سکتا اس لیے اس پر کوئی عبادت بھی فرض نہیں۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ:

"صدقہ ایسا فرض ہے جس کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔ اس لیے کافر کا حالت

کفر میں زکوٰۃ دینا صحیح نہیں۔ اگر کسی وجہ سے کوئی کافر کئی سالوں کی پیشگی زکوٰۃ جمع کرا دے، پھر وہ مسلمان ہو جائے، تو حالتِ کفر میں پیشگی دی ہوئی زکوٰۃ کافی نہیں ہو گی بلکہ اس کو پھر زکوٰۃ دینا ہو گی۔

مرتد کے مال پر زکوٰۃ ملتوی رہے گی اگر وہ اسلام کی طرف عود کر آئے تو زکوٰۃ واجب ہو گی ورنہ نہیں ارتداد کے ساتھ ہی مرتد کا مال فئی ہو جائے گا۔ فئی مالِ غنیمت کو کہتے ہیں ـــ لیکن دوبارہ اسلام لانے پر زکوٰۃ کا اعادہ کرے گا۔

● ـــ عقل مند ہونے کی شرط لگانے سے غیر عقل مند یعنی مجنون پر زکوٰۃ فرض نہیں ہو گی، نہ اس شخص پر جس کے دماغ میں کوئی مرض پیدا ہو گیا ہو جس کی وجہ سے اس کی عقل میں فتور آ گیا ہو۔

جنون کا اگر عارضہ بالغ ہونے سے پہلے ہوا ہو تو یہ جنون اصلی کہلائے گا اور سال کے کم یا زیادہ حصہ میں افاقہ کی حالت میں رہنے کے باوجود زکوٰۃ اس پر واجب نہ ہو گی لیکن اگر یہ غیر اصلی ہو یعنی بالغ ہونے کے بعد عارضہ ہوا ہو اور سال بھر اس عارضہ میں مبتلا رہا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔

البتہ جس وقت سے اس کا جنون زائل ہوا ہو اس وقت سے اس کے سال کی ابتدا ہو گی۔

● نابالغ کی ملکیت میں چاہے جس قدر مال آجائے نہ اُس پہ اور نہ اس کے ولی پہ زکوٰۃ فرض ہو گی۔

ائمہ کا اختلاف

اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس بات کے قائل ہیں کہ نابالغ کے مال کی زکوٰۃ اس کا سرپرست اور ولی ادا کرے گا۔ امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی یہی خیال ہے۔ یعنی نابالغ کے مال میں زکوٰۃ ہو گی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے موقف کی یہ دلیل دیتے ہیں کہ زکوٰۃ چونکہ عبادت ہے اور عبادت نابالغ اور مجنون پر فرض نہیں ہے اس لیے اس کی ادائیگی کے وہ مکلف نہیں ہوں گے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر ائمہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ زکوٰۃ حق لازمی ہے اس لیے اس حق کو ادا کرنا ہی پڑے گا۔ جس طرح شوہر پہ بیوی کا نان ونفقہ ضروری ہے اسی طرح ہر اس شخص پر جو صاحب نصاب ہے فقیروں اور مسکینوں کا حق جسے ادا کرنا ضروری ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر ائمہ اپنی دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی یتیم کے مال کا سرپرست ہو اُسے

چاہیئے کہ اس کے مال سے تجارت کرے اور اسے بیکار نہ رہنے دے کہ اسے زکوٰۃ کھا جائے۔ یہ حدیث ترمذی شریف کی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یتیموں کے مال کو تجارت میں لگاؤ ایسا نہ ہو کہ اسے زکوٰۃ کھا جائے۔ مسند امام شافعی کی حدیث ہے، ان کے علاوہ ایک اور دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سرپرستی میں چند یتیم بچے تھے آپ ان کے مال کی زکوٰۃ ادا کیا کرتی تھیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان حدیثوں کو دلیل اس لیے نہیں مانتے کہ ان میں سے ایک سند کے لحاظ سے ضعیف اور دوسری مرسل ہے — مرسل سے مراد وہ حدیث ہے جس میں روایت کرنے والے صحابی کا ذکر نہ ہو —، یعنی درمیان کے راوی غائب ہوں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ان کے مال دوسرے مصارف میں صرف کیے جائیں گے کیونکہ وہ بندوں کے حق ہیں یعنی عشر اور صدقۂ فطر ان سے ادا کیا جائے گا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور اہلِ علم کا ایک بڑا گروہ یتیم اور ناسمجھ کے مال میں زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری نہیں سمجھتا۔

حریت آزادی

کسی مسلمان پر زکوٰۃ فرض ہونے کی چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ آزاد ہو کسی کا غلام نہ ہو۔ غلام پر خواہ وہ مکاتب ہو یا ماذون زکوٰۃ فرض نہیں۔

● ــــــــ مکاتب وہ غلام ہے جس کو اس کے آقا نے اس شرط پر آزاد کر دیا ہو کہ وہ اتنا روپیہ کما کر اس کو دے دے جب تک تک وہ اس قدر روپیہ کما کر اس کو نہ دے گا غلام رہے گا اور اتنا روپیہ دے دینے کے بعد آزاد ہو جائے گا۔

● ــــــــ ماذون اس غلام کو کہتے ہیں جس کو مالک نے کھلے کام کی اجازت دے دی ہو اور یہ کہہ دیا ہو کہ وہ کام کرے اور جو کمائے اپنے آقا کو لا کر دے۔

● ــــــــ وجوب زکوٰۃ کی پانچویں شرط یہ ہے کہ "صاحب نصاب ہو" یعنی وہ شخص اتنے مال کا مالک ہو جتنے پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے اور اگر اس سے کم ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ نصاب ہر چیز کے لیے جداگانہ ہے جیسے اونٹ، جب تک پانچ اونٹ نہ ہوں گے زکوٰۃ فرض نہ ہو گی۔ پانچ اونٹ نصاب ہوا۔ بکرے کا چالیس عدد نصاب ہے۔ خرما۔ چھوہارا کے لیے پانچ وسق۔ چاندی کے لیے دو سو درہم۔ سونا کے لیے بیس مثقال۔

● ــــــــ پھر نصاب والے مال پر کامل ایک سال کا گزر جانا شرط ہے۔ بغیر ایک سال گزرے ہوئے زکوٰۃ

فرض نہیں۔ اسی کو اصطلاح میں "حولان حول" کہا جاتا ہے۔

● ——— صرف سال کے شروع اور آخر میں نصاب پورا ہونا چاہیئے۔
اگر سال کے درمیانی حصّہ میں کسی وجہ سے بھی مال نصاب سے کم ہو جائے تو اس کمی کا شمار نہیں ہوگا بلکہ زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ لیکن سال کے شروع یا سال کے آخر میں مال، نصاب سے کم ہو جائے تو زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔ اس کو ذرا وضاحت سے یوں سمجھیے کہ اگر کسی شخص کے پاس شوال کے مہینے میں پانچ اُونٹ یا نصاب کے مطابق سونا، چاندی یا نقد روپے ہو گئے تو صاحب نصاب ہوتے ہی اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی بلکہ اس تعداد میں سال بھر تک اُونٹ یا دوسرے مال اس کے پاس رہیں گے تب زکوٰۃ ہوگی۔ یعنی اُونٹ کی زکوٰۃ ایک بکری دینی ہوگی۔ لیکن شوال میں تو اس کے پانچ اُونٹ ہو گئے لیکن اتفاق کی بات کہ بارہ مہینے پورے ہونے سے پہلے ہی ایک اُونٹ مر گیا تو اس پر زکوٰۃ نہ ہوگی۔ لیکن شروع میں اُونٹ پانچ رہے، درمیان سال میں دو مر گئے یا کسی طرح گم ہو گئے پھر سال مکمل ہونے سے پہلے ہی اس کے پانچ اُونٹ ہو گئے تو اب اس کو زکوٰۃ دینا ہوگی۔

زکوٰۃ کے مسائل میں چند اصطلاحات رائج ہیں جن کا اس موقعہ پر ہی جان لینا مناسب ہوگا تاکہ مسائل کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ ان کا تعلق سکّے اوزان اور پیمانے سے بھی ہے اور مستعمل اصطلاحات سے بھی ہے۔

نصاب

مال کی اس خاص مقدار کو نصاب کہتے ہیں جس کے ہونے پر شریعت نے زکوٰۃ فرض کی ہے۔ اور یہ مقدار، تعداد یا وزن جداگانہ ہیں۔ مثلاً اُونٹ جب تک پانچ نہ ہوں گے اس پر زکوٰۃ نہ ہوگی۔ پانچ اُونٹ نصابِ اُونٹ ہوا۔ پانچ اُونٹ پر ایک بکری دینا فرض ہے، خواہ نر ہو یا مادہ۔ پھر پانچ سے بڑھ کر ۲۴ اُونٹ ہو جائیں گے جب بھی وہی ایک بکری۔ لیکن جب ۲۵ ہو جائیں گے تو زکوٰۃ میں ایک ایسی اُونٹنی دینا ہوگی جس پر دوسرا برس شروع ہوا ہو۔ بکری کا نصاب ۴۰ بکریاں ہیں۔ چالیس بھیڑ، بکری، دنبہ وغیرہ ہو جانے پر ایک بکری پھر ایک سو بیس تک وہی۔ البتہ ۱۲۱ ہو جانے پر۔ دو بھیڑ بکریاں زکوٰۃ میں دی جائیں گی۔

حولان حول

کسی مال پر جو نصاب کی حد میں ہو اس پر مکمل طور پر قمری سال گزر جانے کا نام حولان حول ہے۔ زرعی پیداوار اور درختوں کے پھلوں اور معدنیات کے لیے سال پورا ہونے کی شرط نہیں ہے۔

سوم

چرائی کو کہتے ہیں جو مفت کی چراگاہ میں ہو یا ایسی چراگاہ میں جس کی قیمت بہت کم ہو۔

سائمہ

سائمہ وہ جانور کہے جاتے ہیں جو مفت کی چراگاہ میں یا کھلے علاقے میں اپنے منہ سے چرنے پر اکتفا کرتے ہوں اور گھر میں ان کو کچھ نہ دیا جاتا ہو۔ اگر نصف سال کھلی چراگاہ یا مفت کی چراگاہ میں اپنے منہ سے چر کے رہتے ہوں اور نصف سال ان کو گھر میں کھلایا جاتا ہو تو پھر وہ سائمہ نہیں ہیں۔ اس طرح اگر گھاس ان کے لیے گھر میں منگائی جاتی ہو خواہ قیمت دے کر منگائی جاتی ہو خواہ بے قیمت تو پھر بھی وہ سائمہ نہیں ہیں۔

جو گھاس وہ مویشی چرتے ہوں۔ اس کے چرنے کی کسی طرف سے

ممانعت نہ ہو۔ اگر کسی کی منع کی ہوئی اور ناجائز گھاس ان کو چرائی جائے تب بھی وہ سائمہ نہ ہوں گے۔

دودھ کی غرض سے یا نسل کی غرض سے نہ رکھے گئے ہوں بلکہ گوشت کھانے کے لیے یا سواری کے لیے تو پھر وہ سائمہ نہ کہلائیں گے۔

(امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک صرف ان مویشیوں پر زکوٰۃ واجب ہے جو سائمہ ہوں)

ضرورت اصلیہ

وہ ضرورت جو جان یا آبرو سے متعلق ہو۔ یعنی ان کے پورا نہ ہونے سے جان یا آبرو کا خوف ہو، مثلاً کھانا، پینا، کپڑے، رہنے کا مکان پیشہ ور کے لیے اس کے پیشے سے متعلق اوزار وغیرہ یہ ضرورت اصلیہ ہیں۔

سکّے اوزان اور پیمانے

درہم

زکوٰۃ کے مسائل میں جب بولا جاتا ہے تو اس سے ۲ ۱/۲ ماشہ اور ڈیڑھ رتی مراد ہوتی ہے اور ایک ماشہ ۸ رتی کا ہوتا ہے اور ایک رتی چار جَو کی ہوتی ہے۔ پس ایک درہم میں ۷۰ جَو ہوتے اور ۱/۵ ۷ اور فی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درہم کا وزن مقرر کر دیا آپ کا مقرر کردہ ہر درہم

۲۴ قیراط کا ہے۔ اور اسی وزن پر تمام صحابہ کا اجماع ہے۔

مثقال

تین ماشے اور ایک رتی کا ہوتا ہے اس لیے کہ مثقال ۲۲ قیراط کا ہوتا ہے اور ایک قیراط پانچ جو کا ہوتا ہے۔ ایک مثقال میں سو جو ہوئے۔ اور سو جو کی بحساب چار جو فی رتی پچیس رتیاں ہوئیں اس حساب سے ایک مثقال تین ماشے ایک رتی ہوا۔ قیراط CARAT سونے اور جواہرات تولنے کے لیے وزن۔ خالص سونا ۲۴ قیراط مانا جاتا ہے۔

صاع

ناپنے کا پیمانہ جس کا حجم ۲٫۱۷۶ لیٹر کے مساوی ہوتا ہے۔ انگریزی سیر کے حساب سے جو کلدار اسی روپے کا ہوتا ہے۔ سوا دو سیر ۹ تولہ سات ماشہ کا ہوتا ہے یعنی پانچ ماشہ کم دو سیر ڈیڑھ پاؤ کا ہوتا ہے، پانچ ماشہ کمی چونکہ کوئی کمی نہیں ہے اس لیے ایک صاع کو دو سیر ڈیڑھ پاؤ سمجھنا چاہیئے۔

ایک حساب سے ایک صاع = دو سیر ۲۶ تولہ تین ماشہ ۱ء۷ رتی

صاع کا وزن جو پہلے لکھا گیا ہے عراقی صاع کا ہے جو احناف کے یہاں معتبر ہے۔

وسق : ناپنے کا پیمانہ

ایک وسق = ۶۰ صاع کے
اس حجم کے پیمانے میں گیہوں کی جو مقدار آتی ہے
اس کے لحاظ سے باعتبار وزن ایک وسق = تین من ، سیر
۵ تولے۔

اموال ظاہری

اموال ظاہری وہ ہیں جو نظر میں آجائیں ، جیسے مویشی ، باغات ، کھیت کھلیان ، مال تجارت ، فیکٹریاں وغیرہ۔

اموال باطنہ

وہ ہیں جو نظر میں نہ آسکیں ۔ گھر میں ، الماریوں میں ، بنکوں میں ، بنک لاکر زمیں ہوں جیسے روپے ، سونا چاندی ، زیورات وغیرہ۔

ملکیّت

● ـــــ وجوب زکوٰۃ کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ ملکیت کامل ہو ملکیت میں کوئی نقص ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ۔ یعنی جو مال ملکیت اور قبضے میں نہ ہو ، یا ملک میں تو ہو مگر

قبضے میں نہ ہو، یا قبضے میں تو ہو لیکن اس کا وہ حقیقی مالک نہ ہو۔ ایسی صورتوں میں اس مال پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

● ——— رہن کی ہوئی چیز کی کسی پر زکوٰۃ نہیں، مالک پر اس لیے نہیں کہ وہ مالک تو ہے مگر وہ چیز اس کے قبضے میں نہیں ہے اور جس کے پاس وہ مال رہن رکھا گیا ہے اس پر اس مال کی زکوٰۃ اس لیے نہیں ہے کہ وہ شے اس کے قبضے میں تو ضرور ہے مگر وہ اس کی ملکیت نہیں۔

● ——— اسی طرح اس مال گم شدہ پر بھی زکوٰۃ نہیں جو ایک مدت تک گم رہنے کے بعد مل گیا ہو تو جس زمانہ تک مال کھویا رہا۔ اس زمانہ کی زکوٰۃ فرض نہیں۔ اسی طرح جو مال دریا میں گر جائے اور کچھ دنوں کے بعد نکالا جائے۔ تو جس زمانہ تک گرا رہا۔ اس زمانہ کی زکوٰۃ فرض نہیں۔ اس مدت کو حساب سے خارج کر دیا جائے گا۔ اسی صورت سے جو مال کسی جنگل میں دفن کر دیا گیا اور اس کا مقام وہ بھول گیا، پھر ایک عرصہ کے بعد نشان مل جانے کے بعد یا دفن کی جگہ یاد آجانے کے بعد وہ مل جائے تو ان پر بھی اس درمیانی عرصہ کی زکوٰۃ نہیں ہو گی لیکن اگر کسی مکان کی جگہ میں دفن کیا گیا ہو اور اس مکان کی وہ جگہ یاد نہ رہے تو یہ بھول حقیقی نہیں سمجھی جائے گی۔ یاد آنے پر جب وہ مال نکالا جائے گا تو بھولے ہوئے عرصے کی بھی زکوٰۃ

نکالی جائے گی۔ کیونکہ وہ مال قبضہ سے باہر نہیں ہُوا تھا۔

اسی طرح جو مال کسی کے پاس امانت رکھا گیا ہو اور بھول جائے کہ کس کے پاس رکھا تھا اور پھر یاد آجائے تو جس زمانہ تک بھولا رہا اس کی زکوٰۃ فرض نہ ہو گی، بشرطیکہ وہ شخص جس کے پاس امانت رکھی گئی تھی اجنبی ہو۔ اگر کسی جانے ہوئے آدمی کے پاس امانت رکھی جائے اور یاد نہ رہے تو اس بھولے ہوئے زمانے کی زکوٰۃ بھی فرض ہو گی۔

اسی طرح اگر کسی کو کچھ قرض دیا جائے اور قرض دار انکار کر جائے اور کوئی تمسک یا گواہی اس کی نہ ہو، خواہ قرض دار مالدار ہو یا مفلس، پھر چند روز کے بعد وہ لوگوں کے سامنے یا قاضی کے روبرو اقرار کر لے تو اس انکار کے زمانہ کی زکوٰۃ فرض نہ ہو گی۔

اسی صورت سے جو مال کسی سے ظلماً چھین لیا جائے اور کچھ دنوں کے بعد وہ اس کو مل جائے تو جس زمانہ تک وہ اس کو نہیں ملا اس زمانہ کی زکوٰۃ اس پر فرض نہ ہو گی

غرضیکہ کسی مال پر زکوٰۃ فرض ہونے کی لازمی صورت یہ بھی ہے کہ مال ملکیت بھی ہو اور قبضے میں بھی ہو۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی کم ہو گی تو زکوٰۃ بھی فرض

نہ ہوگی۔ ملکیت اور قبضہ دونوں شرط لازمی ہیں۔

● ـــــــــ زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے جس طرح ملکیت اور قبضہ ضروری ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی کے صحیح ہونے کی شرط بھی یہی ہوگی کہ زکوٰۃ کا مال جس کو دیا جائے اس کو اس مال کا مالک اور قابض بھی بنادیا جائے۔ اگر کوئی شخص کھانا پکوا کر فقیروں کو اپنے گھر میں جمع کر کے کھلاوے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کرے، تو زکوٰۃ ادا نہیں نہیں ہوگی، لیکن کھانا اگر فقیروں تک پہنچا دیا جائے اور ان کو مکمل اختیار ہو کہ وہ اس کھانے کا جو چاہیں کریں جہاں چاہیں کھائیں جس کو چاہیں دیں۔ تو پھر درست ہے کیونکہ زکوٰۃ کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس کو بھی مالِ زکوٰۃ دیا جائے اس کو اس کا مالک بنادیا جائے اس کے اختیار میں کوئی کمی کی گئی یا کسی شرط کے ساتھ مال دیا گیا تو صحیح نہیں ہوگا۔

مال قرض سے محفوظ ہو

● ـــــــــ زکوٰۃ واجب ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ مال ایسے قرضوں سے محفوظ ہو جس کے ادا کرنے کا مطالبہ کسی وقت بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی اگر کسی شخص کے پاس

نصاب سے زیادہ مال ہو اور اس پر ایک سال بھی گزر چکا ہو لیکن اس پر اتنا قرض ہو جسے ادا کرنے کے بعد وہ مال نصف سے کم رہ جاتا ہو تو اس پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے، کیونکہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے اس مال کا ایسے قرض سے محفوظ ہونا جس کی ادائیگی کا مطالبہ کسی وقت بھی کسی طرف سے ہو سکتا ہو، چاہے وہ قرض اللہ تعالیٰ کا ہو جیسے زکوٰۃ عشر، خراج وغیرہ۔ گرچہ یہ حق ہیں تو اللہ تعالیٰ کے مگر ان کی ادائیگی کا مطالبہ حکومت کی طرف سے ہو سکتا ہے؛ کیونکہ حکومت اللہ تعالیٰ کے اس حق کو وصول کر کے اس کے حقداروں تک پہنچانے کی ذمہ دار ہے۔ اس لیے اس حق اللہ کو بھی قرض ہی سمجھا جائے گا۔ اگر کسی بندے کا قرض ہے تو اس کی ادائیگی بدرجہ اولیٰ زکوٰۃ سے مقدم سمجھی جائے گی۔ بیوی کا مہر بھی اس قرض میں شامل ہے گرچہ وہ موجل ہو، یہ حق اللہ ہے اور کسی وقت بھی بیوی کی طرف سے اس کے ادا کیے جانے کا مطالبہ ہو سکتا ہے۔

غرضیکہ جو مال اس قدر قرضے میں ڈوبا ہوا ہو یا اس پر اتنا قرض ہو کہ اس کے ادا کرنے کے بعد نصاب زکوٰۃ پورا نہ رہے تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں البتہ

حقوق اللہ کا کوئی ایسا قرض ہو جس کا مطالبہ کسی بندے کی طرف سے نہ ہو سکتا ہو تو ایسے قرض پر زکوٰۃ ہوگی جیسے نذر منت یا کفارہ کا قرض جیسے کوئی ایسا شخص ہے جس کے ذمہ کفارہ واجب ہے یا یہ کہ اس پر حج فرض کی ادائیگی باقی ہے، تو اس کا یہ قرض، قرض نہیں سمجھا جائے گا اس کے مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ مثلاً کسی شخص کے پاس دو سو روپے ہیں جو زکوٰۃ کا نصاب ہے۔ لیکن اس نے کسی منت کے سلسلے میں کچھ روپے خیرات کرنے کی نذر مانی تھی، یا یہ کہ اس پر قسم کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے اور اس نے نذر یا کفارہ ادا نہ کیا حتیٰ کہ سال گزر گیا۔ تو اس کو دو سو روپے کی زکوٰۃ پانچ روپے ادا کرنا ہوگی اس لیے نذر یا کفارہ کی رقم اس کو خود ہی رضا کارانہ ادا کرنا ہوگی، حکومت وقت یا قاضی شہر کا کوئی کارندہ اسے وصول کرنے نہیں آئے گا۔ اسی صورت سے اگر کسی شخص پر دوران سال ہی قرض ہو گیا تو اس قرض کو اس کے مال کے تلف ہو جانے کے برابر سمجھا جائے گا اور قرض خواہ نے اس قرض کو معاف بھی کر دیا ہو جب بھی اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔ بلکہ قرض خواہ نے جس دن سے اس کے قرض کو معاف

کیا ہے اس وقت سے اس مال کے سال کی ابتداء ہو گی۔

قرض اور زکوٰۃ

قرض اور زکوٰۃ کے سلسلے میں گرچہ رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی واضح حدیث نہیں ہے، تاہم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے قول و عمل سے جو مسائل واضح ہو کر سامنے آئے ہیں وہ یہ ہیں:

● ـــــ اگر کسی شخص پر قرض ہو اس کو پہلے اپنا قرض ادا کرنا چاہیئے قرض ادا کرنے کے بعد اگر مال نصاب کے برابر ہو یا زائد تو اس پر زکوٰۃ ادا کی جائے ورنہ نہیں

اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور آپ کے شاگردوں کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صاحب نصاب ہو، حاجت ضروریہ سے زائد اس کے پاس سامان ہو مگر وہ مقروض ہو تو اس کو اموال ظاہرہ یعنی مویشیوں اور غلوں کی زکوٰۃ بہر حال دینا ہو گی، البتہ اموال باطنہ یعنی نقد، مال تجارت وغیرہ اگر قرض ادا کرنے کے بعد نصاب سے کم رہ جائیں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہو گی۔ امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام شافعی کے نزدیک مقروض اپنے پورے مال کی زکوٰۃ دے گا خواہ

قرض ادا کرنے سے اس کا مال نصاب سے کم رہ جاتا ہو

دین کی قسمیں

قرضوں کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے درجہ بندی کردی ہے۔ حنفی مسلک کے مطابق قرضوں کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ قوی ۲۔ متوسط ۳۔ ضعیف

۱۔ قوی

وہ دین ہے جو کسی شخص کو نقد دیا گیا ہو، یا یہ کہ کسی اسٹاکسٹ نے سامان تجارت کسی کو ادھار دیا ہو، یا یہ کہ دکاندار نے کسی گاہک کو مال ادھار دیا ہو۔ اور وہ قرض دار قرض کا اعتراف بھی کرتا ہو اور ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہو لیکن وہ دیوالیہ ہو گیا ہو یا تنگ دستی کا شکار جس سے بظاہر رقم کی وصولی کی کوئی صورت نظر نہ آتی ہو، ایسی صورت میں جب تک اس کے مالک کو ۴۰ درہم یا ساڑھے دس تولہ چاندی یا اس سے زائد رقم وصول نہ ہو وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا۔ لیکن جونہی اُسے ۴۰ درہم یا اس سے زائد رقم وصول ہو گئی وہ اس کی پہلی تمام سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔ اور اگر اسے ۴۰ درہم سے کم رقم وصول ہو تو اس کے ذمہ اس کی زکوٰۃ نہیں۔ اس قسم کے قوی قرض پر سال مکمل ہونے کا اعتبار اُس

وقت سے ہوگا جبکہ اس کا مالک (قرضخواہ) نصاب کا مالک ہوا ہو اس
وقت سے نہیں ہوگا جبکہ اسے قرض وصول ہو۔

اس مسئلہ کو ایک دوسری مثال سے یوں سمجھئے کہ مثلاً کسی نے اپنی
سائمہ بکریاں (یعنی وہ بکریاں جن پر زکوٰۃ ہے) کسی کے ہاتھ ادھار فروخت
کی ہوں تو ان کی قیمت خریدار کے ذمہ دین قوی ہے۔ اس طرح کسی اور
تجارتی ادارے کو ادھار فروخت کیا ہو تو اس کی قیمت بھی مشتری کے
ذمہ دین قوی ہے اور جب بائع (فروخت کنندہ) کو اس کی قیمت میں
سے چالیس درہم مل جائیں گے تو اسے ان مقبوضہ درہموں کی زکوٰۃ اس
وقت سے دینا ہوگی جب سے وہ اصل مال جس کی وہ قیمت ہے اس
کے پاس تھا۔ جیسے یہ کہ سائمہ بکریاں جو اس کے پاس چھ ماہ سے تھیں
ادھار بیچیں اور چھ ماہ کے بعد اسے دوسو درہم ملے تو ان دوسو درہموں
کی زکوٰۃ پانچ درہم اس کو فوراً دینا چاہیئے کیونکہ ان پر ایک سال کامل گزر
گیا۔ چھ مہینے کو اس کے اصل اور چھ ماہ مدیون (قرض دار) کے پاس
اس مال کے گزرے یا اگر ادھار دیئے ہوئے سامان یا نقد قرض پر
تین سال کی مدت گزر جائے تو اس صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کی
صورت یہ ہوگی کہ:

"ایک شخص کے دوسرے شخص پر تین سو روپے قرض
تھے اور اس قرض پر تین سال گزر گئے اور تین سال کے بعد
اسے تین سو روپے میں سے دوسو روپے وصول ہوں تو

ان میں سے پانچ روپے پہلے سال کی زکوٰۃ کے طور پر ادا کرے گا اس کے بعد اس کے پاس سو روپے رہ جائیں گے اب ایک سو پچانوے کے چونکہ چار چالیس اور ایک تیس ہوتے ہیں اور تیس روپے پر زکوٰۃ نہیں ہوتی ہے اس لیے صرف ایک سو ساٹھ روپے کی زکوٰۃ چار روپے دوسرے سال اور اتنا ہی تیسرے سال کی نکالی جائے گی۔ اس طرح تین سال کے بعد وصول شدہ قرض دو سو روپے کی کل زکوٰۃ ۱۳ روپے ادا کی جائے گی"

خلاصہ قوی قرض

قوی قرض وہ ہے۔ جو کسی شخص کو نقد روپے کی صورت میں یا سامان تجارت ادھار کی صورت میں دیا گیا۔ اور لینے والا اس قرض کا اقرار بھی کرتا ہو اور ادائیگی کا وعدہ بھی کرتا ہو۔ چاہے وہ تنگ دست یا دیوالیہ ہو۔ تاہم اس کے اقرار کی وجہ سے وہ قرض قوی کہلائے گا۔

متوسط

متوسط وہ دین ہے جو ایسے مال کا عوض ہو جس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی جیسے رہائشی مکان، پہننے کے کپڑے، استعمال کے برتن، خدمت کے غلام، غیر سائمہ بکریاں۔ یہ چیزیں خواہ ضرورت کے تحت خواہ اس وجہ سے کہ وہ ضرورت سے زائد تھیں. کسی کے ہاتھ ادھار فروخت کر دی گئیں،

تو ان کی قیمت مشتری (خریدار) پر دین متوسط کی قسم سے ہے، اور دین متوسط کا سال اس کے اصل کے زمانہ سے نہ رکھا جائے گا کیونکہ اس کی اصل پر زکوٰۃ فرض ہی نہ تھی بلکہ اس زمانہ سے رکھا جائے گا جب سے وہ مال اس نے فروخت کیا ہے۔ مزید یہ کہ جب تک بائع (بیچنے والے) کو بقدر نصاب یا اس سے زیادہ رقم وصول نہ ہو وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا۔ لیکن جونہی اسے بقدر نصاب یا اس سے زائد رقم وصول ہو جائے تو وہ اس کی زکوٰۃ ادا کرے۔ لیکن سال پورا ہونے پر، اور سال پورا ہونے کا اعتبار قوی قرض کی طرح نصاب کا مالک ہو جانے کے وقت سے ہوگا۔ قرض وصول ہونے کے وقت سے نہ ہوگا۔ یعنی جس ماہ سے فروخت کیا ہے۔

خلاصہ متوسط قرض

متوسط قرض کسی ایسی چیز کی باقی قیمت ہے، کہ وہ چیز اگر اپنے اصلی مالک کے پاس ہوتی تو مالک کو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرنی پڑتی ہے، لیکن اب وہ چیز چونکہ دوسرے کی ملکیت ہو گئی ہے۔ اور اس کی قیمت اس کو ملے گی۔ اس لیے وہ ادھار۔ قرض متوسط کہلائے گا۔

۳۔ ضعیف قرض

تیسری قسم ضعیف قرض کی ہے۔ ضعیف وہ دین ہے جو کسی مال کی قیمت نہ ہو۔ جیسے دین مہر۔ دین دیت۔ دین کتابت۔ دین خلع وغیرہ۔

اس طرح کے قرض کی زکوٰۃ اس کا مالک اس وقت تک ادا نہ کرے گا جب تک اسے اس میں سے بقدر نصاب یا اس سے زائد رقم وصول نہ ہو جائے اور وصول ہو جانے کے بعد اس پر ایک سال کی مدت نہ گزر جائے۔

واضح رہے کہ یہ سب کچھ اس صورت میں ہے کہ جب قرض خواہ (جیسے بیوی جس کو مہر کی رقم ملنے والی ہے اور شوہر اس کا قرض دار اور وہ قرضخواہ) ہے کے پاس قرض کے سوا کوئی دوسرا مال بقدر نصاب موجود نہ ہو اگر اس کے پاس کسی قسم کا قابلِ زکوٰۃ مال موجود ہو پھر اسے قرض وصول ہوا ہو، تو وصول شدہ قرض خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ تو اس کا پہلے سے موجود قابل زکوٰۃ مال میں شامل کر کے پھر پورے مال کی زکوٰۃ دینا ضروری ہے۔

فقہاء کے اختلافات

● ــــــ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک قرض کی صرف دو قسمیں ہیں،

۱۔ ثابت ۲۔ غیر ثابت

ثابت سے مراد وہ قرض ہے جو کسی ایسے شخص کے ذمے ہو جسے اس کا اعتراف ہو۔ اور غیر ثابت سے مراد وہ قرض ہے جو کسی ایسے شخص کے ذمے ہو جو اس کا انکار کر رہا ہو ثابت قرض پر تمام پر سالوں کی زکوٰۃ فرض ہے۔ البتہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک یہ زکوٰۃ اس وقت ادا کی جائے گی جب

وصول ہو اور امام شافعی کے نزدیک جب وصول ہو سکتا ہو یعنی اگر وہ ہر وقت وصول ہو سکتا ہو تو ہر سال اس کی زکوٰۃ ادا کرتے رہنا ضروری ہے۔

● ——— امام شافعی اور امام حنبل کے نزدیک عورت کا مہر اس کے شوہر کے ذمہ قرض ہے۔ لہٰذا اگر شوہر اس کا اعتراف کرتا ہے تو اس کے ذمہ اس کی زکوٰۃ ضروری ہے۔ امام شافعی کے نزدیک وہ اس کی زکوٰۃ ہر سال ادا کرے گی جبکہ وہ رقم وصول ہو سکتی ہو مگر وہ خود وصول نہ کر رہی ہو اور امام حنبل کے نزدیک وہ تمام سالوں کی زکوٰۃ اس وقت ادا کرے گی جب وہ اسے وصول کر لے۔

بحث کا خلاصہ اور حل

قرض دی ہوئی رقم پر زکوٰۃ دینے یا نہ دینے کے بارے میں گرچہ اختلافات پائے جاتے ہیں تاہم تمام تفصیلات کی چھان بین کے بعد واضح طور پر اس مسئلہ کا حل جو سامنے آیا ہے کہ، قرض دی ہوئی رقم پر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

● ——— اگر قرض آسودہ حال اشخاص پر ہے تو موجودہ مالی سال کے ساتھ قرض میں دی ہوئی رقم کی بھی زکوٰۃ فوراً ادا کر دی جائے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ ایسے قرض پر زکوٰۃ فرض ہے جسے تم قرض دار سے

جب چاہو مطالبہ کر کے لے سکو۔ اور ایسے قرض پر بھی زکوٰۃ واجب ہے جو آسودہ حال شخص پر ہو اور تم شرم یا رواداری کی وجہ سے اسے چھوڑ رکھو۔

● ——— قرض اگر ایسے شخص یا اشخاص کو دیا گیا ہو جس سے ملنے کی اُمید نہ ہو، اس نے دینے سے انکار کر دیا ہو یا یہ کہ وہ اقرار تو کرتا ہو مگر اتنا تنگ دست ہو کہ ادائیگی کا امکان نہ رہا ہو۔ تو ایسا قرض جب تک وصول نہ ہو جائے زکوٰۃ ادا نہ کی جائے گی۔

احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نا اُمید رقم جب بھی مل جائے اس کی پورے سال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے اس لیے کہ یہ قرض دی ہوئی رقم بہرحال اسی کی ہے، اگر یہاں نہیں ملے گی تو آخرت میں مل جائے گی۔ اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہے کہ قرض خواہ نے اگر اپنے قرض کا جو اس نے دوسروں کو دے رکھا ہے۔ اگر اس کی زکوٰۃ دیتا رہتا ہے تو اس کی برکت ضرور ہو گی اور اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے وصولی کی کوئی سبیل پیدا کر دے گا۔

(تابعین میں عطاء بن رباح اور حسن قرض میں دیئے ہوئے مال پر زکوٰۃ واجب قرار نہیں دیتے، خواہ وہ آسودہ حال یا قابل اعتماد شخص ہی کیوں نہ ہو)

زکوٰۃ کو منہا نہیں کیا جا سکتا

قرض دی ہوئی رقم زکوٰۃ میں منہا کی جا سکتی ہے یا نہیں ؟ یعنی اگر صورت یہ ہو کہ مالک اپنی رقم میں سے جسے اس نے کسی شخص کو قرض دے رکھا ہے، کچھ بھی لینا نہیں چاہتا تھا بلکہ قرض دار کو اپنی یہ رقم معاف کر دینا چاہتا ہے اور اس کی وہ صورت یہ نکالتا ہے کہ وہ اس رقم کو اپنے موجودہ مال کی زکوٰۃ میں منہا کر دیتا ہے۔ تو کیا ایسا کرنا اس کے لیے جائز ہو گا اور اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ؟

فقہائے اسلام جن میں مشہور بزرگ عطا بن ابی رباح، حسن اور بعض دیگر تابعین ہیں اس بات کے قائل ہیں کہ قرض دی ہوئی رقم کو زکوٰۃ میں منہا کیا جا سکتا ہے ——— لیکن اس کے خلاف بھی بہت سی آراء ہیں، اور اس سے اختلاف کرنے والے بھی ممتاز تابعین اور فقہا ہیں۔

مؤلف کی رائے

ہمارے نزدیک بھی یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کو قرض کی رقم میں منہا نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ اسلام کے اصولِ زکوٰۃ کے خلاف ہے اس سے زکوٰۃ ادا کرنے والے کی نیت کا اخلاص ختم ہو جانے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے پھر یہ کہ اصل مستحق فقراء اور مساکین کے حقوق بھی تلف ہوتے ہیں۔ تیسری بات یہ کہ زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے اور فرض ہمیشہ کھلم کھلا اور علی الاعلان ادا کیا

جانا چاہیئے۔ چھپ چھپا کر زکوٰۃ ادا کرنے کا یہ طریقہ مسلمانوں میں اس کی پوزیشن مشکوک بنا دے گا۔ دوسروں کو زکوٰۃ روکنے کی تشہیر ملے گی اور عدم ادائیگی زکوٰۃ کا رجحان رکھنے والوں کی حوصلہ افزائی ہو گی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام اور خلفائے راشدین سے بھی اس قسم کے عمل کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ مزید براں یہ کہ زکوٰۃ کے نظام میں اس سے اختلال پیدا ہو جائے گا۔ اور لوگوں کے لیے گریز کی راہ پیدا ہو جائے گی۔ بیوی کا مہر اور خلع کی رقم بھی زکوٰۃ کی مد سے ادا ہونے لگے گی۔ پھر یہ کہ قرضدار کو قرض سے نجات دلانا خود مصارف زکوٰۃ میں ایک مصرف ہے، اس کام کو انفرادی حیثیت میں محض اپنی رقم بچانے کے لیے کرنا صحیح نہیں ہے۔

بینک کی رقم

بنک میں رکھی ہوئی امانتیں اور پراویڈنٹ فنڈ یہ دونوں چیزیں دراصل ایک قسم کا قرض ہیں اور ان کی حیثیت قرض ہی کی ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک کے مطابق ان کی حیثیت قرض قوی کی ہے اس لیے ان پر تمام سالوں کی زکوٰۃ ضروری ہے اور وہ اس وقت ادا کی جائے جب ان میں سے اتنی رقم وصول ہو جائے جو ساڑھے دس تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو یا اس سے زائد ہو جائے۔

حنبلی مسلک کے مطابق بھی ان دونوں پر تمام سالوں کی زکوٰۃ ضروری ہے اور وہ اس وقت ادا کی جائے گی، جبکہ ان میں سے بقدر نصاب

یا اس سے زائد رقم وصول ہو جائے۔
مالکی مسلک میں بنک کی امانتوں پر تمام سالوں کی زکوٰۃ فرض ہے، کیونکہ یہ امانتیں ہر وقت لی جا سکتی ہیں، اگر کوئی اس کے لینے میں تاخیر کرتا ہے تو خود کرتا ہے۔ البتہ یہ زکوٰۃ ان کو واپس لینے کے بعد کی جائے گی۔
شافعیہ کے نزدیک بنک میں رکھی ہوئی امانتوں کی زکوٰۃ ہر سال ادا کی جائے گی، خواہ انسان انھیں واپس لے یا نہ لے۔ کیونکہ وہ انھیں ہر وقت لے سکتا ہے۔ پراویڈنٹ فنڈ پر بھی ان کے یہاں تمام سالوں کی زکوٰۃ ضروری ہے لیکن اس کو ادا اس وقت کیا جائے گا جبکہ پراویڈنٹ فنڈ کا لینا ممکن ہو۔

مشترک کمپنی کی زکوٰۃ

اگر کسی تجارت میں دو یا دو سے زائد آدمی شریک ہوں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان میں سے کسی پر زکوٰۃ اس وقت تک فرض نہیں ہو گی جب تک ان میں سے ہر ایک کا حصہ بقدر نصاب نہ ہو گا، یعنی حصہ دار یا شراکت دار اپنے ذاتی حصوں پر زکوٰۃ دیں گے، کمپنی شراکت یا انجمن کی طرف سے زکوٰۃ میں ادا کی جائے گی۔
امام شافعی کے نزدیک مشترکہ مال کا حکم ایک ہی شخص کے مال کا ہے یعنی مشترکہ کھاتے سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو زکوٰۃ دی جائے گی۔

بنک لاکرز

قیمتی اشیاء جو بنک لاکرز یا سیلف ڈیپازٹ والٹ میں رکھی ہوں

ان کو بھی اموالِ باطنہ میں شامل کیا جائے گا ایسی چیزیں بینک میں ہونے کے باوجود بینک میں جمع نہیں ہوتیں۔ اموالِ باطنہ چونکہ ظاہر نہیں ہوتیں اور جو لوگ ناخدا ترسی کرتے ہوئے اپنے مال کو چھپانا چاہیں گے تو چھپا سکتے ہیں۔ اس لیے حکومت اس سے زکوٰۃ وصول نہیں کرے گی بلکہ ہر وہ شخص جس کے پاس خواہ گھر میں یا بینک لاکرز میں اموال باطنہ ہوں وہ ان کی زکوٰۃ خود ہی نکالے اور خود ہی تقسیم کرے گا۔

پیشگی، زرِ ضمانت، ڈپازٹ

قرض کے علاوہ ادہار، پیشگی، ڈپازٹ زرِ ضمانت بھی قابل زکوٰۃ ہیں، یہ اچھے یا برُے یا مشکوک ہو سکتے ہیں، اچھوں پر تو زکوٰۃ ہو گی، مشکوک یا بروں پر فی الحال زکوٰۃ نہ دی جائے، لیکن بعد میں وصول ہونے کی صورت میں ۲½ فی صد سالانہ کی شرح سے دی جائے۔

تمسکات

سرکاری بچت تمسکات پر زکوٰۃ کی شرح ۲½ فی صد سالانہ کل زر پر ہونی چاہیئے۔ سرکاری بچت کا ادارہ ہر سال اس طرح کی کل زکوٰۃ فنڈ میں بھیجے تمسکات بھنائے جانے کا انتظار کرنا اور پھر وہ بھی ساری مدت کے لیے صرف ۲½ فی زکوٰۃ دینا بہت ہی نامناسب ہے اور سرکاری سطح پر زکوٰۃ روکنے کی گنہگار ذہنیت اس سے پرورش پائے گی۔

حصص کا مسئلہ

جن حصص کا بھاؤ بازار میں لگتا ہے ان کی قدر بازاری یا اصلی بھاؤ میں سے جو کم ہو اس سے لیا جائے گا۔ پرائیویٹ کمپنیوں کے حصص اصلی یا موجودہ حسابی بھاؤ میں سے جو کم ہو لیا جانا چاہیئے۔

● ـــــــ ملکیتی حصص میں کچھ زیادہ فائدہ ہوتا ہے اس لیے ان کی رقم مندرجہ بالا فارمولے سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ مثلاً کسی خاندان کے پاس کسی کمپنی کے ۵۱ فی صد حصص ہیں، ان کا بازاری بھاؤ اگر دس روپے ہے تو اس خاندان کے افراد اپنے حصص دس روپے میں فروخت نہیں کریں گے بلکہ کچھ زیادہ مانگیں گے۔ اس لیے ان کو زکوٰۃ بھی زیادہ رقم پر دینی چاہیئے۔

بیمہ زندگی

بیمہ زندگی پر دوسری بچتوں کی طرح سالانہ ۲½ فی صد کی شرح سے زکوٰۃ وصول کی جانی چاہیئے۔ رقم وصول ہونے کی صورت میں ۲½ فی صد کے حساب سے ادا کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں جو پریمیم ادا کیا جاتا ہے وہ سراسر بچت ہے۔ اس لیے اس پر سالانہ ۲½ فی صد زکوٰۃ لی جائے کیونکہ ایک سال کے اندر بیمہ کا بونس زکوٰۃ کی شرح سے کہیں زیادہ ہو جاتا ہے۔

پراویڈنٹ فنڈز

پراویڈنٹ فنڈ میں ملازم کی جمع شدہ رقم اس کی بچت ہے، اس پر ۲½ فی صد زکوٰۃ سالانہ ہے، ملازمت کے کچھ عرصہ بعد کمپنی کی رقم پر بھی اس کا حق ہو جاتا ہے ایسی صورت میں دونوں رقومات پر مع دونوں منافع کے سالانہ ۲½ فی صد زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔ اور یہ کوئی نقصان کا سبب یا دنیاوی گھاٹے کی صورت انشاءاللہ نہ ہوگی کیونکہ پراویڈنٹ فنڈ کا منافع جو این آئی ٹی کی وجہ سے نفع بخش ہوتا ہے۔ اس کا منافع زکوٰۃ سے کہیں زیادہ ہوگا۔ ادائیگی کی صورت وصولی کی صورت میں ہوگی۔

ٹرانسپورٹ (کرایہ کی سواریاں)

موجودہ دور کے ٹرانسپورٹ سسٹم کو پہلے زمانہ کی اونٹوں کی سواریوں پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ پہلے سواریوں کا نظام آج کی طرح نہیں تھا۔ اونٹوں پہ بار برداری کی جاتی تھی اور وہی سواری کے بھی کام آتے تھے۔ اس لیے ان پر کوئی زکوٰۃ نہ تھی۔ اس کے برعکس آج کل ہوائی جہاز، بسیں، کاریں، منی بسیں، رکشا وغیرہ وسیع اور تیز رفتار سواریاں کرایوں پر چلتی ہیں اور یہ سواریاں موجودہ دور میں بہت بڑا ذریعہ آمدنی ہیں، اور یہ بڑے پیمانہ کا کاروبار ہے اور یہ سواریاں کاروباری اثاثے ہیں۔ اس لیے ان کو تجارتی سامان قرار دے کر ان پر زکوٰۃ لگانا چاہیئے۔ یہ بات کچھ عجیب سی

معلوم ہوتی ہے کہ اگر اس سرمایہ سے جو ٹرانسپورٹ پر لگایا گیا ہے، ایک چوتھائی بھی کسی دکان پر لگایا جاتا تو اس پر زکوٰۃ ہوتی لیکن ٹرانسپورٹ پر محض اس لیے زکوٰۃ نہ لگانا کہ اونٹوں کی سواریوں کی طرح ہیں۔ یہ درست نہیں ہے۔

کرائے کے مکانات

آج کل یہ کام بھی بڑے پیمانے پر تجارتی بنیادوں پر ہو رہا ہے اور بہت سے لوگوں کا کاروبار ہی یہی ہے۔ یہ لوگ پلازا بلڈنگ اور بنگلے کرایہ پر چلاتے ہیں، اور جب روپیہ اکٹھا ہو جاتا ہے ایک اور بنا لیتے ہیں یا ایک منزل اور تعمیر کر لیتے ہیں۔ اسلام کے ابتدائی دور میں یہ طریق تجارت نہیں تھا۔ ضروری رہائشی مکان کے لیے زمینیں مفت مل جاتی تھیں، تعمیر سادہ اور سستی تھی، کرایہ پر دینے اور لینے کی آدمی کو زیادہ ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ لیکن آج کل اس کام پر کروڑوں کا سرمایہ لگا ہوتا ہے، اور لوگوں کو اپنے سرمایہ کو ہزار چند کرنے کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔ اس لیے کرایہ پر لگی ہوئی عمارتوں پر زکوٰۃ ضرور لگانی چاہیئے اور ایسی عمارتوں پر بھی زکوٰۃ عائد کی جانی چاہیئے جو تعمیر کر کے فروخت کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ ان کی حیثیت کاروباری اثاثے کی ہونی چاہیئے۔ اور کاروباری اثاثے پر زکوٰۃ فرض ہے۔ البتہ عمارت کی مالیت کا اندازہ لگاتے وقت اس بات کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیئے کہ یہ عمارت کرایہ پر لگی ہوئی ہے، یا نہیں؟ کیونکہ جو عمارت کرایہ پر لگی ہوئی ہوتی ہے، اس کی

مالیت خالی مکان کی نسبت کم ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ عمارت کرایہ دار کے قبضہ میں ہوتی ہے جس کا خالی کرانا مشکل ہوتا ہے اس لیے اس کی قیمت کم ہو جاتی ہے۔ ایسی عمارتوں کی مالیت آٹھ نو سال کے کرائے کے برابر لگانی چاہیئے۔ یا یہ کہ کوئی مناسب صورت اختیار کر کے اس کا فیصلہ کرنا چاہیئے۔

● ——— ایک رائے یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جن لوگوں کے پاس ایک یا دو چھوٹے مکانات جو ۸۰ گز، یا ایک سو بیس گز کے ہو سکتے ہیں، اور مالک مکان بھی کوئی بڑا اور سرمایہ دار آدمی نہیں ہے بلکہ اس نے کارپوریشن سے قرض لے کر مکانات تعمیر کرائے ہیں۔ یا ایک منزلہ عمارت، دو یا تین منزل بنا کر ایک حصہ میں خود رہتا ہے اور دوسرے حصے کرائے پر دے رکھے ہیں۔ کرایہ پر دیئے ایسے مکانات کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہونی چاہیئے بلکہ کرایہ پر ہونی چاہیئے۔ ہاؤس ٹیکس، پانی ٹیکس وغیرہ منہا کر کے لگانا چاہیئے۔ وہ تمام بڑی بڑی بلڈنگیں جو کرایہ پر لگانے ہی کے لیے بنائی گئی ہوں، ان کی مالیت پر زکوٰۃ عائد ہونی چاہیئے۔

فیکٹری اور مشین

فیکٹریوں اور ان میں لگی ہوئی مشینوں پر زکوٰۃ عائد کرنے کا مسئلہ ذرا پیچیدہ ہے۔ ان کے بارے میں یہ فیصلہ کر لینا کہ یہ بڑا ذریعہ پیداوار

دولت ہیں اس لیے فیکٹری کی عمارت پر اگر نہیں تو مشینوں پر زکوٰۃ ضرور عائد ہونی چاہیئے اگر صحیح نہیں ہے تو یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں معلوم ہوتی کہ ان پر سرے سے کوئی زکوٰۃ ہی عائد نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ یہ اس کا وسیلہ ذریعہ معاش ہے، یا یہ کہ جو کچھ نظر آرہا ہے دراصل اس کا نہیں ہے بلکہ بینکوں کا ہے۔ جس کے ہاتھوں میں یہ چیزیں بلکہ اس کی پیداوار تک گروی ہے۔

مناسب صورت

اس مسئلہ کے حل کی مناسب صورت یہ ہے کہ فیکٹری کی عمارت اور اس میں لگی ہوئی مشینوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دینا چاہیئے اور اس کی سالانہ پیداوار پر زکوٰۃ عائد ہونی چاہیئے۔

۔ فیکٹری اور اس میں لگی ہوئی مشین دراصل پیشہ ورانہ آلات ہیں، پہلے چھوٹے آلات ہوتے تھے جیسے بڑھی کی آری اور بسولے، جلاہے کہ کرگھے، لوہار کی بھٹی اور سنداں وغیرہ۔ اور ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے بلکہ ان کو ذریعہ معاش قرار دے کر ان کو زکوٰۃ سے اسلام نے مستثنیٰ قرار دیا ہے چاہے وہ کتنے ہی قیمتی ہوں۔ اسی صورت سے آرا مشین، لوہے گلانے والی آج کل کی بھاری بھٹیاں، اور کرگھے کے مقابلے میں بجلی کی کھڈیاں بھی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہونی چاہئیں۔ البتہ پہلے جس طرح بڑھی، لوہار اور جلاہے کی اس پیشہ ورانہ ذریعہ آمدنی پر زکوٰۃ نہیں تھا۔ اب ویسا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ مشینی ذرائع پیداوار

کی وجہ سے آدمی کی آمدنی میں چونکہ بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ہے۔ اس وجہ سے سالانہ آمدنی کے مجموعے پر زکوٰۃ عائد ہونی چاہیئے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ فیکٹریاں اور کارخانے روزی کمانے کا اب کوئی معمولی پیشہ نہیں ہیں۔ بلکہ اعلیٰ قسم کی تجارت ہے اور یہ صرف تجارت ہی نہیں ہے بلکہ صنعتی تجارتی ذریعہ ہے۔ اس لیے اس پر تجارت کی زکوٰۃ نہیں۔ صنعت کی زکوٰۃ لگنی چاہیئے۔ یعنی صنعتی پیداوار پر زکوٰۃ ہونی چاہیئے ذریعہ پیداوار پر نہیں ہونی چاہیئے۔ جس طرح زمین پر زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ زمین سے پیدا ہونے والی اشیاء اناج وغیرہ پر عشر ہے۔

ہلاکت مال

زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد اگر مال ہلاک ہو جائے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ اگرچہ زکوٰۃ دینے کا وقت آگیا ہو اور اُس شخص نے کسی وجہ سے زکوٰۃ ادا نہ کی ہو پھر بھی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ لیکن اس شخص نے اگر جان بوجھ کر مال کو ہلاک کیا ہو گا تو پھر اس کو زکوٰۃ دینا ہو گی مثلاً یہ کہ مویشیوں کو جان بوجھ کر پانی نہ پلائے اور وہ مر جائیں۔ یا کسی مال کو قصداً ضائع کر دے۔

- کسی کو قرض یا عاریتاً کوئی مال دیا جائے اور وہاں وہ تلف ہو جائے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔
- جس قرض کے دینے کا کافی ثبوت دائن یعنی قرض دینے والے

کے پاس ہو۔ اور مدیون یعنی مقروض بھی اس دین کا منکر نہ ہو اور وہ قرض قوی ہو یا متوسط تو ایسی حالت میں اس دین کی زکوٰۃ دائن کو دینا ہو گی۔

ادائیگی سے پہلے ضائع ہو جانے کی صورت میں

اگر کسی شخص نے اپنے مال کی زکوٰۃ نکالی لیکن اس سے پہلے کہ وہ ادا کرے وہ ضائع ہو گئی تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور آپ کے شاگردوں کے نزدیک وہ شخص اپنے بقیہ مال کی دوبارہ زکوٰۃ نکالے گا۔ لیکن بقیہ مال اگر نصاب سے کم ہو چکا ہو تو اس پر زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، خواہ اس نے زکوٰۃ کی حفاظت میں کوتاہی کی ہو یا نہ کی ہو۔

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک وہ اپنے بقیہ مال کی زکوٰۃ قسطوں میں ادا کرے گا خواہ یہ بقیہ مال کم ہی رہ گیا ہو۔

امام احمد بن حنبل اور دوسرے فقہاء اور امام شافعی کے یہاں زکوٰۃ کسی حالت میں ساقط نہ ہو گی۔

گنہ گار ذہنیت

اگر کوئی شخص زکوٰۃ سے بچنے کے لیے اپنی گنہ گارانہ ذہنیت کا اس طرح اظہار کرے کہ جب زکوٰۃ واجب ہونے کے قریب ہو تو وہ اپنا مال کسی کو ہبہ کر دے یعنی اپنی بیوی یا بیٹے کو دے دے پھر کچھ دنوں کے بعد اس ہبہ کو واپس لے لے تو اس مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرنا پڑے گی۔ اس کو

ذرا وضاحت سے یہ سمجھئے کہ کسی شخص نے اس مال کو جس پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے دس مہینے تک اپنے پاس رکھنے کے بعد اس کو کسی شخص کو ہبہ کر دیا "کسی شخص" میں اس کی بیوی بچے بھی ہو سکتے ہیں، پھر دو چار ماہ بعد اسے واپس لے لیا تو اب وہ پہلا زمانہ یعنی پچھلے دس ماہ اس میں شامل کر کے دو مہینہ کے بعد اس پر زکوٰۃ عائد نہیں کی جائے گی بلکہ جب از سرِ نو پورا سال گزرے گا تب زکوٰۃ واجب ہو گی۔ لیکن اگر وہ اسی طرح ہبہ کرتا رہتا اور واپس لیتا رہتا ہے۔ حولان حول یعنی سال مکمل ہونے نہیں دیتا ہے تو زکوٰۃ تو بہر حال اس سے ساقط ہوتی رہے گی لیکن اس کا یہ فعل مجرمانہ اور گنہگارانہ ہو گا اس کے اس فعل کو مکروہ تحریمی کہا جائے گا۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعی کے نزدیک اس سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔ اگرچہ وہ گنہگار ہو گا۔ امام احمد اور امام مالک کے نزدیک اس سے زکوٰۃ بہر حال لی جائے گی۔ الّا یہ کہ اس نے سال کے شروع ہی میں اسے فروخت کر دیا ہو، تو پھر اس سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ اس نے زکوٰۃ سے بچنے ہی کے لیے ایسا کیا ہو۔

(ایسے حیلہ باز شخص کو اسلامی ریاست سزا دینے کی مجاز ہو گی)

مرنے والے پر زکوٰۃ اگر باقی ہو؟

کسی شخص کا انتقال اگر اس حالت میں ہو جائے کہ اس کے مال

پر زکوٰۃ واجب ہو چکی تھی لیکن ابھی اس نے ادا نہیں کی تھی تو کیا اس کے ترکہ سے زکوٰۃ کی رقم وصول کی جائے گی؟

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اکثر شاگردوں اور دیگر فقہاء کی رائے میں میت کے مال متروکہ سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی، لیکن اس نے مرنے سے پہلے اگر اس کی وصیت کر دی ہو کہ اس کے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو اس صورت میں مال متروکہ سے زکوٰۃ وصول کر لی جائے گی۔ یہ حضرات اپنے موقف کی یہ دلیل دیتے ہیں کہ زکوٰۃ قرض نہیں بلکہ عبادت ہے، اور عبادت میں جب تک نیت نہ ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

ان فقہاء کے برعکس۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور مشہور تابعی حضرت حسن بصری اس بات کے قائل ہیں کہ میت کے مال متروکہ سے زکوٰۃ ضروری وصول کی جائے گی خواہ اس نے ادائیگی زکوٰۃ کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ وہ زکوٰۃ کو انسان کے ذمے اللہ تعالیٰ کا قرض قرار دیتے ہیں۔ اس لیے جس طرح قرض کا میت کے ترکہ سے ادا کرنا ضروری ہے اسی طرح زکوٰۃ کا ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنا ہی پڑے گی؟

زکوٰۃ جب کسی شخص پر اس کے کسی مال پر فرض ہو جائے تو اسے زکوٰۃ ادا کرنا ہی پڑے گی۔ ادائیگی یا وصولی کے سلسلے میں اس بات کا لحاظ

نہیں رکھا جائے گا کہ وہ زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد یہ شرط نہیں ہے کہ انسان اسے ادا کر سکتا ہے یا نہیں۔ امام مالک کے نزدیک یہ شرط قابل قبول ہے کہ وہ شخص زکوٰۃ ادا کرنے کے قابل ہے بھی یا نہیں۔ اگر وہ شخص اس قابل نہیں کہ زکوٰۃ ادا کر سکے تو اس سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔

مولف کی رائے

زکوٰۃ کی ادائیگی میں ادا کر سکنے کی شرط، کے سلسلے میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے زیادہ صحیح وقیع اور حقیقت پر مبنی ہے۔ کیونکہ اس شرط کو قبول کر لینے سے کہ جو شخص صاحبِ نصاب ہونے کے بعد بھی اگر اس قابل ہو کہ وہ زکوٰۃ ادا کرے ورنہ نہیں بہت سی پیچیدگیاں پیدا کر دے گا۔

- آج کل لوگوں میں عبادت اور طاعت کا وہ جذبہ نہیں ہے جو دورِ اوّل میں تھا۔ اس لیے وہ کسی نہ کسی طرح اس کو جھوٹا سہارا بنا لے سکتے ہیں۔
- دوسری بات یہ کہ زکوٰۃ رقم میں لینے اور دینے کی بجائے اشیاء کی شکل میں ناپ تول کر لینا زیادہ صحیح اور پسندیدہ ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس سونے کے زیورات

اتنے ہیں کہ ان پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے، لیکن اس کے پاس نقد روپے اتنے نہیں ہیں کہ وہ ان کی زکوٰۃ روپے میں ادا کر سکے تو اس کے لیے زیادہ بہتر یہی ہے کہ وہ زیور سے زکوٰۃ کی مقدار کے برابر سونا توڑ لے، کٹڑی، چھالر، چین یا کوئی حصّہ نکال کر زکوٰۃ ادا کر دے۔ نقد روپے کا ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔ زیادہ بہتر صورت یہی ہے کہ جس چیز پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے وہی جنس زکوٰۃ میں دی جائے۔

- تیسری بات یہ بھی ہے کہ سونے کے زیورات کو بچا کر ذخیرے کی صورت میں رکھنے کی عادت نہیں ہونی چاہیئے
- ایک بات یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ ایک اہم فریضہ ہے جس کی ادائیگی کا بہت زیادہ ثواب اور عدم ادائیگی بہت بڑا گناہ ہے۔ آدمی اپنے مال میں سے تھوڑا مال نکال کر فرض ادا کرنے والا بن جاتا ہے جو بہت بڑی سعادت ہے۔ اس عادت سے معمولی آدمی کو بھی زکوٰۃ ادا کرنے کی سعادت میسّر آجاتی ہے۔ بخل کا جذبہ مٹتا ہے، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ جو کسی بھی فلاحی ریاست کے شہریوں کے لیے ضروری ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنے والے کو رعایت

زکوٰۃ ادا کرنے والے کو اختیار ہے کہ زکوٰۃ میں وہی چیز ادا کرے جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، یا یہ کہ اس کے عوض روپیہ دے دے۔ البتہ اس شے کی قیمت ادا کرنے کے سلسلے میں اس بات کا پورا خیال رکھا جائے گا کہ قیمت کس زمانے کی ادا کی جا رہی ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے والے کو قیمت اسی زمانے کی ادا کرنا ہوگی جس زمانے میں وہ زکوٰۃ دینا چاہتا ہے۔ خواہ اس کی قیمت اُس زمانہ کے لحاظ سے جب زکوٰۃ واجب ہوئی تھی زیادہ ہے۔ تو اب اس کو زکوٰۃ میں زیادہ رقم دینا ہوگی، اور اگر کم ہوگی تو کم دینا ہوگی۔

مثال کے طور پر کسی شخص پر زکوٰۃ کے وجوب کے وقت جو بکری واجب ہوئی تھی، اس وقت اس کی قیمت تین سو ۳۰۰ روپے تھی اور اس نے اس وقت زکوٰۃ ادا نہیں کی تھی، لیکن اب جبکہ وہ زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہے اس وقت بکری کی قیمت ۳۵۰ روپے ہے تو اب اس کو تین سو پچاس ۳۵۰ روپے ہی دینے ہوں گے اور اگر قیمت کم ہو گئی ہو گی، یعنی مارکیٹ ریٹ گر گیا ہوگا تو اس کو اسی وقت کے ریٹ سے قیمت دینی ہوگی۔ یعنی اب اگر بکری کی قیمت ۲۵۰ روپے ہے تو یہی قیمت دینا ہوگی۔

عمدہ مال کی عمدہ زکوٰۃ

جس مال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، وہ کل کا کل اچھا ہے، تو زکوٰۃ میں بھی عمدہ مال دینا چاہیئے، مثلاً کسی کے پاس چالیس بکریاں ہیں اور سب کی سب موٹی تازی اور اچھی ہیں، تو زکوٰۃ میں بھی جو ایک بکری دی جائے وہ بھی موٹی تازی اور اچھی ہونی چاہیئے۔ اور اگر سب مال خراب ہے تو خراب مال دیا جائے۔ اور اگر کچھ مال عمدہ اور کچھ خراب ہے تو زکوٰۃ میں متوسط درجہ کا مال دینا چاہیئے ـــــــ اگر ادنیٰ درجہ کی چیز دی جائے اور اس میں جس قدر کمی ہو اس کے بدلے میں کچھ قیمت دی جائے۔ یا اعلیٰ درجہ کی چیز دی جائے اور اس میں جس قدر زیادتی ہے اس کی قیمت واپس لی جائے، تو ایسا کرنا جائز ہے۔

مال کی قیمت اگر چہ چڑھ جائے

کسی شخص کے پاس تجارتی مال ہے۔ لیکن وہ مال قیمت کے اعتبار سے نصاب سے کم ہے۔ چونکہ وہ نصاب سے کم ہے اس لیے اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ لیکن حسن اتفاق سے (اور ایسے اتفاقات تجارتی زندگی میں پیدا ہوتے رہتے ہیں) چند روز کے بعد مال کی قیمت چڑھ جائے اور اتنی ہو جائے کہ زکوٰۃ واجب ہو جائے تو زکوٰۃ اسی وقت نہیں نکالی جائے گی بلکہ جس وقت سے قیمت بڑھی ہے، اسی وقت سے اس کے

کی ابتداء ہو گی یعنی سال شروع ہو گا۔

حلال اور حرام ملا ہوا مال

اگر کوئی شخص حرام میں حلال ملا دے تو سب کی زکوٰۃ اس کو دینا ہو گی۔

پیشگی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے

اگر کوئی شخص اپنے مال کی زکوٰۃ سال ختم ہونے سے پہلے یا کئی سال کی پیشگی دے دے تو جائز ہے۔

شک کی صورت میں

اگر کسی شخص کو شک ہو جائے کہ اس نے اپنی زکوٰۃ ادا کی ہے یا نہیں تو اس کو چاہیئے کہ زکوٰۃ پھر دے دے۔

اسلامی حکومت کے فرائض

"اسلامی حکومت" اگر نام نہاد نہ ہو بلکہ اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ کہیں قائم ہو، تو اس حکومت کو ہر قسم کے مال کی زکوٰۃ لینے کا حق حاصل ہے۔ ایسی حکومت تمام لوگوں سے اوّل زکوٰۃ وصول کرے گی پھر ان کو مستحقین زکوٰۃ پر تقسیم کرنے کا معقول بندوبست کرے گی۔ لیکن حکومت مسلمانوں کی تو ہے لیکن وہ اسلامی نہیں ہے، یا یہ کہ مسلمان حکمران ظالم،

فاجر اور بدکار ہے، اسلامی احکام اور شریعت کا کوئی لحاظ و خیال نہیں رکھتا ہے۔ تو اس کو زکوٰۃ لینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کو بطور خود اس کا انتظام کرنا چاہیئے۔ اگر مسلمانوں کی کوئی سیاسی، مذہبی جماعت اس کام کو کر رہی ہے تو اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہیئے، اور اور اس کے ذریعہ مستحقین زکوٰۃ تک اپنی زکوٰۃ پہنچانے کا اہتمام کیجیے۔

● اسلامی حکومت میں رہنے والے ہر شخص کو جو صاحب زکوٰۃ ہو زکوٰۃ ادا کرنی چاہیئے جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے گا تو حکومت اس کو قید بھی کر سکتی ہے اور اس کا مال قرق بھی کر سکتی ہے۔

اصل ضرورتوں سے زائد ہو

زکوٰۃ واجب ہونے کی نویں شرط یہ ہے کہ وہ مال آدمی کی اپنی ضرورتوں سے زائد ہو۔ جو مال اپنی ضرورتوں کے لیے ہو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ پہننے کے کپڑوں، رہنے کے گھر، خدمت کے غلاموں، سواری کے گھوڑوں اور خانہ داری کے اسباب، پیشہ ورانہ آلات، کتابیں خواہ کسی اہلِ علم کے پاس ہوں، خواہ کسی جاہل ناخواندہ کے پاس ہوں۔ ان سب پر زکوٰۃ نہیں ــــــ پیشہ ورانہ آلات میں بڑھئی۔ لوہار۔ درزی۔ کسان معمار۔ مزدور وغیرہ کے آلات شامل ہیں۔

حاجاتِ ضروریہ

حاجاتِ ضروریہ ایسی چیز ہے جس کی حد بندی کرنا مشکل ہے۔ عصرِ حاضر میں تو حاجاتِ اصلیہ اس بلندی اور رفعت کو پہنچ چکی ہیں جس کا پہلے تصور تک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آدمی کی ہوس اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ اگر سونے کی دو وادیاں بھی دے دی جائیں تو وہ تیسرے کی خواہش میں سرگرداں ہو جائے، تاہم فقہاء نے اس کی جو حد قائم کی ہے وہ یہ ہے کہ کھانے پینے کا اتنا سامان ہو کہ وہ قوت لایموت نہ ہو بلکہ قوت و توانائی پیدا کرنے والا ہو، صحت کی مکمل ضمانت ہو اور کھانے پینے کے ذوق کی اس سے تسکین ہو۔ اتنے روپے پیسے ہوں کہ اپنے بال بچوں کو وقت کے مطابق تعلیم دلا سکے، وہ خود اگر بیمار ہو جائے یا اس کے گھر والوں یا کنبے کا کوئی شخص بیمار ہو جائے تو اس کا صحیح علاج ہو سکے۔ پہننے کے کپڑے اتنے ہوں جو ایک متمدن زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ موسم کے مطابق ہوں۔ رہائشی مکان ایسا ہو جس سے معاشرتی زندگی میں الجھن نہ پیدا ہو سکے۔ پردے کے مطابق اہل وعیال کی حاجتوں کے مناسب اور ایک معیاری کنبے کی ضروریات پوری کرنے والا ہو، والدین کے ساتھ اپنے بچوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔

ان تفصیلات کے باوجود کوئی قطعی حد اس بارے میں مقرر نہیں کی جا سکتی، کیونکہ ضرورتِ اصلیہ، زمان و مکان، قومی دولت

اور قومی آمدنی کی مقدار مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ بعض چیزیں کسی زمانے اور قوم میں تعیشات شمار ہوتی ہیں جبکہ وہی چیزیں کسی دوسرے زمانہ اور قوم میں احتیاجات سمجھی جاتی ہیں انہی بنیادوں پر یہ رائے قائم کی گئی ہے کہ اسلامی حکومت کا سربراہ ہی اس کے لیے کوئی حد مقرر کر سکتا ہے۔ یا مسلمانوں کے علماء اور اہل علم وبصیرت اس بارے میں اجتہاد کر کے ایک مستقل رائے قائم کر سکتے ہیں۔

مؤلف کی رائے

یہ حقیقت ہے کہ حاجت اصلیہ کا تعلق وقت کے معیارِ زندگی سے ہے اور معیارِ زندگی کا تعلق ملکی وسائل پر ہے، ملکی وسائل اچھے ہوں اور ذرائع آمدنی بے قید نہ ہوں اور حکومت خدا ترس لوگوں کے ہاتھوں میں ہو اور جائز وسائل آمدنی کے مواقع ہر شخص کے لیے یکساں ہوں تو ایک ایسا معیارِ زندگی قائم ہو سکتا ہے جس کے اوسط کو حاجتِ اصلیہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

شہروں میں رہنے والوں کی زندگی کا معیار رہائش گرچہ دیہاتیوں کے مقابلے میں مختلف ہو سکتا ہے لیکن ایک صاحبِ نصاب شہری اور دیہاتی کی حاجتِ اصلیہ کا اوسط نکل سکتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک شہری کے پاس ایک کار چار سو گز کے پلاٹ پر ایک مکان ڈرائنگ روم اپنے ضروری لوازمات کے ساتھ۔ کچن سیٹ، کراکری بجلی کے سامان جن میں کپڑے دھونے کی مشین شامل ہے جیسی اشیاء ہو سکتی ہیں تو ایک اوسط قسم کے صاحب نصاب دیہاتی کے پاس سواری کے لیے گھوڑے، اونٹ، کام کرنے والے خادم، کشادہ مکان، گائیں، بھینسیں، بکریاں، مرغیاں اور اتنی اراضی جس سے اس کو کسی قدر غلہ اناج اور سبزیاں مل جاتی ہیں عام طور سے ہوتی ہیں جو ایک شہری کی بظاہر زندگی سے کسی طرح بھی کم نہیں ہوتی ہیں جو اس طرح جب مکان، جائیداد، مویشی، خادم، گھوڑے اور اونٹ حاجتِ ضروریہ ہو سکتے ہیں تو ایک شہری کا مذکورہ سامانِ زندگی بھی حاجتِ اصلیہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ کراچی لاہور اور پاکستان کے دیگر شہروں کے ان گھروں میں جن کے ایک یا دو افراد ملک سے باہر ملازمت کرتے ہیں۔ ان کے گھروں میں جو سامان ہے اس کو حاجتِ اصلیہ قرار دینے میں کوئی حرج نہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ زکوٰۃ کے نظام سے ملک کا معاشی ڈھانچہ یقیناً بہتر ہو جائے گا لیکن پاکستان ایک فلاحی ریاست اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک یہاں اسلام کا سیاسی نظریہ اور اس کا نظامِ حیات

پورے اخلاص اور دیانت داری سے قائم نہیں کیا جا سکتا اور وسائل آمدنی اور ذرائع پیداوار پر اسلام کی ہدایات کے مطابق حدود و قیود قائم نہیں کی جاتیں۔ اسراف اور بخل سے پاک معاشرہ تشکیل نہیں دیا جاتا۔ حقوق و میراث کے اسلامی قوانین رائج نہیں کر دیئے جاتے جس دن یہ سب کچھ ہو گیا اس دن سے معیارِ زندگی کا موجودہ تفاوت ختم ہونے لگے گا اور صرف وہ فطری فرق جس کو خود اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے باقی رہ سکے گا۔ اس وقت حاجتِ اصلیہ کا صحیح صحیح معیار قائم کرنا آسان ہو جائے گا۔

زکوٰۃ کن اموال پر فرض ہوتی ہے

زکوٰۃ جن اموال پر فرض ہوتی ہے ان میں تین اوصاف میں سے کسی ایک وصف کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ نقدیّت ۲۔ سائمیت ۳۔ نیت تجارت

۱۔ مال کی نقدیّت میں روپے، پیسے، سکّے، نوٹ، کرنسی، سونا اور چاندی شامل ہیں۔

۲۔ سائمیت میں وہ تمام مویشی، گائے، بھینس، بکریاں، بھیڑیں وغیرہ داخل ہیں جو گھروں میں نہیں بلکہ باہر جنگلوں اور مفت کی چراگاہوں میں چرتے ہیں۔

۳۔ تجارت میں وہ مال و اسباب شامل ہیں جو تجارت کی نیت سے خریدے گئے ہوں، یعنی اس کے مالک کی نیت اس مال و اسباب سے تجارت کرنے کی ہو۔

سونا اور چاندی

سونا اور چاندی میں نقدیت پائی جاتی ہے لہذا ان میں زکوٰۃ فرض ہوگی خواہ نیت تجارت کی ہو یا نہ ہو خواہ سونا چاندی مشکوک ہو یا غیر مشکوک۔ خواہ سونا چاندی کے زیورات بنالیے گئے ہوں یا برتن و ظروف بنالیے گئے ہوں یا ڈلی کی شکل میں ہوں۔ زکوٰۃ فرض ہے۔ سونا اور چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں اس پر تو فقہاء کے درمیان اختلاف ہے لیکن ڈلی کی شکل میں سونا چاندی پر زکوٰۃ میں کسی کے یہاں اختلاف نہیں یہ اس لیے کہ ان کی حیثیت سکوں کی سی ہوگی جو صرف خرچ کے کام آسکتے ہیں۔

نقد، روپے، کرنسی نوٹ وغیرہ

پاکستان میں چاندی اور سونے کے سکے رائج نہیں ہیں بلکہ کاغذ کے

نوٹ چلتے ہیں یا دھات کے سکے رائج الوقت سکہ ہونے کی وجہ سے ان نوٹوں کو سونے اور چاندی میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اس لیے ان کی زکوٰۃ نکالنے کی محتاط صورت یہ ہے کہ جب ۳۶ تولے ساڑھے پانچ ماشے چاندی کی قیمت خرید کے برابر روپے ہو جائیں اور ان پر ایک سال گزر جائے تو چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکال دیا جائے۔

روپے پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اگر روپیہ اصلی ضرورتوں کے لیے رکھا گیا ہو اور وہ ضرورت بالفعل موجود ہو تو زکوٰۃ فرض نہیں ہو گی۔ علمائے احناف کے علاوہ بعض دوسرے فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ روپیہ پر ہر حال میں زکوٰۃ فرض ہے۔ چاہے وہ ضرورت اصلیہ سے زائد ہو یا نہ ہو۔

کاغذ کے نوٹ جو اب دنیا میں تقریباً ہر جگہ رائج الوقت سکے کی حیثیت رکھتے ہیں ان کی زکوٰۃ کے بارے میں کوئی ذکر نہیں اور سبھوں نے درہم اور سونے اور چاندی یا انگریزی دور کے چاندی کے روپے کی زکوٰۃ نکالی ہے، نوٹوں کی زکوٰۃ کس طرح نکالی جائے، خیالات ظاہر نہیں کیے ہیں۔ اب جبکہ عملی زندگی میں کاغذ کے نوٹ چل رہے ہیں سارے کاروبار اسی کے ذریعہ ہوتے ہیں تو ان نوٹوں کی زکوٰۃ کا مسئلہ ضرور واضح ہونا چاہیئے۔

مؤلف کی رائے

چونکہ چاندی کے سکے رائج نہیں ہیں اس لیے ہمارے ملک میں

ایک روپیہ کو درہم قرار دے کر دو سو روپے کا نصاب مقرر کر دینا چاہیئے یعنی اگر کسی کے پاس دو سو روپے باقی بچ رہیں تو اس کو پانچ روپے زکوٰۃ ادا کرنی چاہیئے اسی صورت سے ہر چالیس پر ایک روپیہ کا اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ ایک ہزار روپے پر چاہے وہ بنک میں جمع ہوں یا گھر کی الماری میں ۲۵ روپے زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

علم الفقہ کے مصنف مولانا عبد الشکور فاروقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حالیہ تحقیقات کے مطابق ۳۶ روپے آٹھ آنہ روپے کا نصاب ہوتا ہے۔ اس طرح اگر کسی کے پاس ایک سو چھیالیس روپیہ کمائی کر سال میں بچ جائے اور اس بچی ہوئی رقم پر ایک سال بھی گزر جائے تو اس کو پانچ روپیہ زکوٰۃ میں نکال دینا چاہیئے۔

تازہ تحقیق کے مطابق حکومت پاکستان کو بھی چاہیئے کہ وہ بنکوں پراویڈنٹ فنڈ اور دوسری ظاہر رقموں پر ۱۴۶ روپے کو نصاب قرار دے کر زکوٰۃ وصول کرلے۔

زیورات پر زکوٰۃ

چاندی اور سونے کے زیورات پر زکوٰۃ فرض ہے بشرطیکہ وہ نصاب

کے مطابق ہو اور اس پر ایک سال گزر گیا ہو۔ اس میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ فرض ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک زیورات جو پہننے کے لیے ہوں اُن پر زکوٰۃ نہیں ہے وہ پہننے والے زیور کو پہننے والے زیور میں لیتے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے، اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ یہ تمام حضرات عورت کے زیور کو موتی، یاقوت اور دوسرے ہیرے جواہرات کے حکم میں مانتے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دلائل کی یہ حضرات تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ جن احادیث سے زیورات پر زکوٰۃ ضروری قرار دیتے ہیں وہ سند کے اعتبار سے قابلِ حجت نہیں ہیں ——— اور ہو سکتا ہے نفل صدقہ کی ترغیب میں یہ بات کہی گئی ہو یا یہ کہ ابتدا میں زیورات پر زکوٰۃ دینے کا حکم ہو پھر منسوخ کر دیا گیا ہو۔ یا یہ کہ کسی عورت نے ضرورت سے زیادہ زیورات بنا لیے ہوں اس پر یہ حکم دیا گیا ہو ——— لیکن جب پہننے کے کپڑے آرائش و زیبائش کے سامان موتی و جواہرات پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے تو سونے اور چاندی کے زیورات پر کس طرح زکوٰۃ ہو سکتی ہے۔

ان ائمہ ثلاثہ کے مقابلے میں علمائے احناف اپنے موقف کی یہ دلیل دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں سونے اور چاندی کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کی مذمت کی ہے اور خرابی بیان فرمائی ہے وہاں

زیورات کو مستثنیٰ نہیں کیا ہے۔ بلکہ کئی صحیح احادیث میں زیور پر زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

● ــــــ ابو داؤد میں عمرو بن شعیب سے مروی ہے کہ ایک عورت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئی اس کے ساتھ اس کی لڑکی تھی جس کے ہاتھ میں سونے کے کنگن تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم اس کی زکوٰۃ دیتی ہو؟

عورت نے جواب دیا نہیں

آپ نے فرمایا کہ کیا تجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تجھے آگ کے کنگن پہنا دیں۔

● ــــــ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زیورات پہننے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔

● ــــــ عمرو بن شعیب سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرو نے اپنی تین بیٹیوں کو سات ہزار دینار کا زیور دیا اور ان زیورات کی زکوٰۃ وہ ہر سال اپنے غلام کو بھیج کر ان کے گھروں سے منگواتے تھے۔

● ـــــــ ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے۔

زیورات کی زکوٰۃ استعمال ہے

زیورات پر زکوٰۃ کو جو لوگ ضروری قرار نہیں دیتے وہ کہتے ہیں کہ زیورات کی زکوٰۃ انھیں پہننا اور پہننے کے لیے کسی کو عاریتًا دینا ہے۔

● ـــــــ سعید بن المسیّب سے مروی ہے کہ زیوروں کی زکوٰۃ یہ ہے کہ انھیں پہنا جائے اور عاریتًا دیا جائے۔

● ـــــــ حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ زیورات کی زکوٰۃ یہ ہے کہ انھیں پہنا جائے یا دیا جائے۔

● ـــــــ سعید بن المسیّب کہتے ہیں کہ جب زیورات پہنے جائیں اور استعمال میں لایا جائے تو ان پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہوتی اور جب وہ نہ پہنے جائیں اور ان سے نفع نہ حاصل کیا جائے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

اور اسی طرح بہت سی روایتوں اور صحابہ کرام اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ زیورات کی زکوٰۃ ان کا خود استعمال کرنا اور دوسروں کو عاریتًا استعمال کرنے کے لیے دینا ہے۔

زیورات کا ذخیرہ کرنا

زیورات ہمارے یہاں سونے اور چاندی، موتی اور ہیرے جواہرات کے جڑاؤ کو کہتے ہیں۔ جن کو عورتیں زمانہ قدیم سے دورِ حاضر تک اپنے گلے، ہاتھ، پاؤں، بازو، سر اور پیشانی کو آراستہ کرنے کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ چنانچہ یہ سب اختلافات انہی زیورات سے متعلق ہیں جن کا بنانا عورت کے لیے جائز ہو اور وہ اسے استعمال میں لاتی ہوں باقی رہا وہ زیور جس کا بنانا عورت کے لیے جائز ہی نہ ہو یا جسے اس نے مال جمع کرنے کی غرض سے بنا کر چھوڑا ہو تو اس پر زکوٰۃ سب کے نزدیک ضروری ہے۔

مؤلف کی رائے

۱۔ زیورات جن کا بنانا ہی ناجائز ہے غالباً اس سے وہ زیورات مراد ہیں جن میں فحش مناظر منقش کیے گئے ہوں، یا بت بنائے گئے ہوں، یا صلیب کی شکل دی گئی ہو، یا یہ کہ سونے کے بت، سونے کی ننگی عورت، سونے کے جانور وغیرہ کو لاکٹ کی شکل دے دی گئی ہو یا یہ کہ سونے کی زنجیر میں ان کو لٹکا دیا گیا ہو وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ اسی صورت سے مال جمع کرنے کی غرض سے زیور بنانے

سے مراد شاید یہ ہے کہ سونا اور چاندی جو اپنے اندر پوری نقدیت رکھتے ہیں اور جن کو ہر زمانہ میں اور ہر جگہ رائج الوقت سکوں میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اور چونکہ کاغذ کے نوٹوں کا گھروں میں رکھنا پُرخطر اور خدشے کا سبب بھی ہے۔ اس لیے سونے اور چاندی کو کسی زیور کی معمولی شکل دے کر کسی جگہ ذخیرہ کر لیتے ہیں۔ آج کل باہر کے ملکوں سے سامان اسمگل کرنے کی بھی یہی صورت ہے کہ عرب ریاستوں میں کام کرنے والے لوگ سونے کی ایک ایک یا دو دو تولے کی چوڑیاں یا کڑے بنا کر عورتوں کو پہنا کر یا چھپا کر لے آتے ہیں۔ ان چوڑیوں کے بنانے کا مقصد ان کا پہننا نہیں ہوتا ہے بلکہ سونے کا ذخیرہ کرنا ہوتا ہے۔ یا کسی وقت پسندیدہ زیورات بنوا لینا ہوتا ہے۔

اس قسم کے تمام زیورات پر تمام فقہاء اور ائمہ اربعہ کے یہاں بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہے۔ ان کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی ورنہ سونے کے یہی چوڑیاں اور کڑے جہنم کا باعث بن جائیں گی۔

۳۔ ان کے علاوہ اور جو باتیں قابلِ توجہ ہیں وہ یہ کہ پاکستان میں تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر باقی سارے مسلمان حنفی ہیں۔ ان کو ائمہ اربعہ کے درمیان زیورات میں زکوٰۃ سے متعلق اختلافات میں اپنے فائدے کی بات تلاش نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ دلیل ان کے لیے کافی نہیں ہو سکتی کہ امام ابو حنیفہ کے سوا باقی تینوں اماموں کے نزدیک زیورات پر زکوٰۃ نہیں ہے اس

بیٹے اگر وہ بھی اس مسئلہ میں انہی کی تقلید کر لیں تو کیا مضائقہ ہے۔ یہ بڑے مضائقے کی بات ہے۔ اس کا شمار حیلے میں ہوگا۔ اور حیلے بہانے کر کے آدمی دنیا میں تو بچ سکتا ہے۔ لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتا۔ وہ نیتوں کا حال خوب جانتا ہے۔ اور انسان کے ظاہر اور چھپے سے اچھی طرح واقف ہے۔

چاندی اور سونے کا نصاب

چاندی اور سونے کا نصاب جو معروف ہے وہ یہ کہ چاندی ساڑھے باون تولہ $52\frac{1}{2}$ کے قریب ہو گی تب اس پر زکوٰۃ ہو گی اور سونا $7\frac{1}{2}$ تولہ ہوگا تب اس پر زکوٰۃ ہو گی اور یہی نصاب زیورات کا ہے، وزن میں کھوٹ وغیرہ کو منہا نہیں کیا جائے گا۔

لیکن سونے اور چاندی کے مندرجہ بالا نصاب سے حجۃ الاسلام امام اہل سنت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اختلاف کیا ہے آپ کہتے ہیں کہ "بعض لوگوں نے چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ اور سونے کا ساڑھے سات تولہ بیان کیا ہے مگر یہ خلاف تحقیق ہے۔ فقہ کی تمام معتبر کتابوں میں اس نصاب سے اختلاف کیا گیا ہے۔ ان فقہاء کا کہنا ہے کہ زکوٰۃ میں وہ درہم مراد ہیں جس کے دس درہم سات مثقال کے برابر ہوں اور مثقال بالاتفاق تین ماشے اور ایک رتی کا ہوتا ہے پس سات مثقال کے اکیس 21 ماشے سات رتی ہوئی جس کو دس 10 پر تقسیم

کب جائے تو دو ماشے ڈیڑھ رتی حاصل ہوتا ہے، پس معلوم ہوا ایک ماشہ ڈیڑھ رتی کا ہوتا ہے اس کو اگر دو سے سے جو زکوٰۃ کا نصاب ہے ضرب دیجئے تو چھتیس تولے ساڑھے پانچ ماشہ ہوتا ہے یہی چاندی کا نصاب ہے۔ اسی طرح سونے کے نصاب میں لوگوں نے غلطی کی ہے۔ تمام فقہاء لکھتے ہیں کہ سونے کا مثقال حساب سے تین ماشہ ایک رتی کا ہوتا ہے پس تین ماشے ایک رتی کو بیس سے ضرب دیا جائے تو پانچ تولہ ڈھائی ماشہ ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ سونے اور چاندی کی طرح زیورات کی زکوٰۃ بھی تول کر نکالی جائے گی اور چالیسواں حصّہ نکالا جائے گا۔ زیور توڑ کر سونا اس میں سے نکالنا پسند نہ ہو تو پانچ تولہ ڈھائی ماشہ سونے کی بازار میں جو قیمت ہو گی اس کا چالیسواں حصّہ چار ہزار ہو تو ایک سو اور ۸ ہزار ہو تو دو سو روپے زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

چاندی اور سونا ہی زکوٰۃ میں نکالنے کی صورت میں ۳۶ تولے ساڑھے پانچ ماشے چاندی جو نصاب ہے کی زکوٰۃ اتنی چاندی کا چالیسواں حصّہ دس ماشے ساڑھے سات رتی چاندی ہو گی۔ اور پانچ تولہ ڈھائی ماشہ سونے کا نصاب زکوٰۃ ایک ماشہ ساڑھے چار رتی سونا ہو گا کیونکہ پانچ تولہ ڈھائی ماشہ سے کم سونے پر زکوٰۃ نہیں۔

زیادہ ہونے کی صورت میں

سونا یا چاندی اس نصاب سے اگر کچھ زیادہ ہو جائے تو وہ زیادتی اگر نصاب کے پانچویں حصّے کے برابر ہے تو اس پر زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں مثلاً اگر کسی کے پاس چھتیس تولے ساڑھے پانچ ماشہ چاندی کے علاوہ سات تولے ایک ماشہ دو رتی چاندی اور بڑھ جائے تو اس پر زکوٰۃ ہوگی کیونکہ ۳۶ تولے ساڑھے پانچ ماشہ کا یہ پانچواں حصّہ ہے اسی طرح اگر پانچ تولہ ڈھائی ماشہ کے علاوہ ایک تولہ چار رتی سونا بڑھ جائے تو اس پر زکوٰۃ ہوگی کیونکہ یہ پانچ تولے ڈھائی ماشہ کا پانچواں حصّہ ہے۔ پانچویں حصّہ کے بڑھنے تک زکوٰۃ ہے اس سے کم میں زکوٰۃ معاف ہے۔

کھیٹ

اعلیٰ قسم کی دھات کے ساتھ ادنیٰ قیمت کی دھات کی آمیزش کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسے سونا کے ساتھ چاندی یا تانبا اور چاندی کے ساتھ پیتل وغیرہ کو ملا دیا جائے۔

کھیٹ یا کھوٹ ملے ہوئے سونے اور چاندی پر زکوٰۃ اُس وقت واجب ہوگی جبکہ اس کے خالص حصّہ کا اندازہ ہو سکے اور وہ انداز نصاب کی مقدار کے مطابق ہو۔

آمیزش کیے ہوئے سونا اور چاندی کی زکوٰۃ میں خالص سونا اور چاندی نکال سکتے ہیں۔ اور اگر غیر خالص کے مقابلے میں غیر خالص

سونا اور چاندی زکوٰۃ میں نکالیں گے تو اتنا نکالیں گے کہ اس سے خالص کی مقدار واجب برآمد ہو سکے۔

سکّے ڈھالنے کا مسئلہ

سکّے ڈھالنا صرف حکومت کا کام ہے۔ حکومت کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے خالص سکے ڈھالنا مکروہ ہے۔ اور کھیٹ کا سکہ ڈھالنا حرام ہے۔

اسلامی حکومت کو بھی کھیٹ سکے چلانا نہیں چاہیئے۔ یہ مکروہ ہے۔ خالص سونے کے یا خالص چاندی کے یا خالص پیتل تانبے کے سکے ڈھالنے چاہیئے۔ سونا یا چاندی میں ملاوٹ کر کے سکے ڈھالنا مکروہ ہے اور یہ دھوکہ بازی میں شمار ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا جس نے دھوکا بازی کی وہ ہم میں سے نہیں۔

وراثت میں ملے ہوئے زیورات

جن فقہاء کے نزدیک زیورات پر زکوٰۃ نہیں ہے وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ اگر زیورات استعمال نہیں کیے گئے ہیں یا عاریتًا پہننے کے لیے کسی کو نہیں دیئے گئے ہیں، چاہے جان کر ایسا کیا گیا ہو یا انجانے۔ ایسے زیورات پہ زکوٰۃ ہوگی۔ مثلاً

اگر زیورات میں وراثۃً حق پیدا ہوا ہو، مگر وارث کو اس کا علم ہی نہ ہو کہ وہ قیمتی زیورات کا وارث بن گیا ہو۔ اور اس حال میں ایک سال کی مدت بھی گزر جائے تو اس پہ زکوٰۃ واجب ہے۔

تمویہ

تمویہ کے معنی سونے اور چاندی کا ملمع کرنے کے ہیں۔ ملمع کیے ہوئے زیورات کا استعمال ناجائز ہے، کیونکہ اس طرح مسلمانوں کا مال ضائع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس لیے نہیں ہیں کہ ان کو رائیگاں کیا جائے۔

سائمہ جانور

۲۔ دوسری صفت یہ ہے کہ جانوروں میں سوم پایا جاتا ہو۔ غیر سائمہ جانور اور باقی اموال اگر ان میں تجارت کی نیت کی جائے تو زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں۔ خواہ وہ مال کتنا ہی قیمتی از قسم ہیرے جواہرات ہی کیوں نہ ہوں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک

مویشیوں کی زکوٰۃ کے سلسلے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ صرف ان مویشیوں پر زکوٰۃ واجب ہے جو سائمہ ہوں یعنی ان کی پرورش گھروں میں نہیں بلکہ عموماً باہر جنگلوں یا مفت کی چراگاہوں میں چر کر

ہوتی ہے جن مویشیوں کی پرورش گھروں میں چارہ ڈال کر ہوتی ہے۔ یا سال کے اکثر حصے میں گھروں پر ہی ان کو چارہ دیا جاتا ہے۔ یا یہ کہ چراگاہ میں مویشی چرتے تو ہوں لیکن چراگاہ کی قیمت کافی ادا کرنا پڑتی ہو تو ان پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ یہی مسلک امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا بھی ہے۔ لیکن امام مالک کی رائے تینوں اماموں سے مختلف ہے وہ ہر قسم کے مویشیوں پر زکوٰۃ ضروری قرار دیتے ہیں چاہے وہ سائمہ ہو یا غیر سائمہ یعنی کھلے چرنے والے ہوں یا بندھے پرورش پانے والے۔

ضروری متعلقہ مسائل

● ـــــ سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ میں اولین شرط یہ ہے کہ وہ مویشی جنگلی نہ ہوں، جنگلی جانوروں پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ البتہ یہ جنگلی جانور تجارت کی نیت سے رکھے جائیں تو ان پر تجارت کی زکوٰۃ فرض ہوگی۔

● ـــــ جو جانور کسی دیسی اور جنگلی جانور سے مل کر پیدا ہوں تو اگر ان کی ماں دیسی ہے تو وہ دیسی سمجھے جائیں گے اور اگر جنگلی ہے تو جنگلی سمجھے جائیں گے۔ مثلاً بکری اور ہرن سے کوئی جانور پیدا ہوا تو وہ بکری کے حکم میں ہے اور نیل گاؤ اور گائے سے کوئی جانور پیدا ہوا تو وہ گائے کے حکم میں ہے۔

● ـــــــ جو جانور سائمہ ہو اور سال کے درمیان میں اس سے تجارت کی نیت کر لی جائے تو اس سال اس کی زکوٰۃ نہ دینا پڑے گی بلکہ جس وقت نیت کی گئی ہے اُس وقت کو شمار کر کے سال پورا ہونے پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی اور یہی اس کا تجارتی سال ہوگا۔

● ـــــــ جانوروں کے بچوں پر اگر وہ تنہا ہوں تو زکوٰۃ فرض نہیں۔ ہاں اگر ان کے ساتھ ایک بھی بڑا جانور ہو تو ان پر زکوٰۃ فرض ہوگی اور زکوٰۃ میں وہی جانور دیا جائے گا اور سال پورا ہونے کے بعد زکوٰۃ نکالنے سے پہلے اگر وہ بڑا جانور مر جائے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

وقف جانور اور گھوڑے

وقف کے جانوروں اور گھوڑوں پر جو دینی مقاصد جنگ و جہاد کے لیے رکھے گئے ہوں زکوٰۃ فرض نہیں۔ گھوڑے خواہ سائمہ ہوں یا غیر سائمہ زکوٰۃ فرض نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اختلاف

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک گھوڑے خواہ کسی نیک

مقاصد کے لیے پرورش کیے گئے ہوں چاہے وہ سائمہ ہوں یا غیر سائمہ زکوٰۃ فرض ہے۔ لیکن حنفی مسلک میں عمل اس پر نہیں ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دو عظیم المرتبت شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کا فتویٰ ان کے مسلک کے خلاف ہے۔ ان دونوں کے نزدیک گھوڑوں پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ یہ دونوں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد ہیں اور بعض مسائل میں اپنے استاذ سے بدلائل اختلاف کرتے ہیں فقہ حنفی میں ان کے دلائل کو تسلیم کرتے ہوئے بعض مسائل میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے کے برعکس ان کے شاگردوں کی رائے کو ترجیح دی جاتی ہے۔ چنانچہ علامہ طحطاوی اور قاضی خان اور زیلعی وغیرہ صاحبین کے مسلک پر عموماً فتویٰ دیتے ہیں۔

دیگر فقہاء کے اختلافات

گھوڑوں پر زکوٰۃ کے سلسلے میں دیگر فقہاء نے بھی اختلافات کیے ہیں۔ بعض فقہاء کا خیال ہے کہ جہاد کے لیے پالے جانے والے گھوڑوں پر زکوٰۃ نہیں ہے، لیکن اگر وہ افزائش نسل کے لیے پالے گئے ہوں یا تجارت کے لیے تو ان پر زکوٰۃ ہوگی۔

افزائش نسل کے لیے پالے جانے والے گھوڑے پر فی گھوڑا زکوٰۃ ہوگی اور ایک دینار زکوٰۃ ہوگی۔ اور تجارتی گھوڑوں کی حیثیت تاجروں کے دیگر اموال تجارت کی سی ہوگی بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ جنس گھوڑے

پر کسی قسم کی کوئی زکوٰۃ نہیں ہے، چاہے وہ نسل کشی کے لیے پالے گئے ہوں
چاہے تجارت کی غرض سے رکھے گئے ہوں کو اپنی بات کے ثبوت میں وہ
یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلا تخصیص
گھوڑوں کی زکوٰۃ معاف کردی ہے اس لیے ان پر زکوٰۃ ہی نہیں۔

فیصلہ

ان دونوں مسلکوں کے خلاف علماء اور فقہاء نے یہ راہ اعتدال اختیار
کی ہے کہ ان گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب کی جائے جو بغرض تجارت رکھے گئے
ہوں۔ اور جو بغرض تجارت
ہوں۔ اور جو بغرض افزائش نسل ہوں۔ ان سے زکوٰۃ ساقط کردی جائے
چنانچہ اسی مسلک پر علماء جمہور کا عمل ہے جن میں حنفی علماء اور فقیہہ شامل ہیں۔

- گدھے اور خچر اگر بار برداری کے لیے ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہ ہوگی لیکن اگر تجارت کے لیے ہوں تو ان پر زکوٰۃ ہوگی۔

مویشی کی زکوٰۃ کا نصاب

مویشیوں کی مختلف اصناف (مال) پر جو صدقات واجب کیے
گئے ہیں ان کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

بکری بھیڑ دنبہ کا نصاب

زکوٰۃ کے بارے میں بکری بھیڑ دنبہ سب یکساں ہیں اگر ان میں سے ہر ایک کا نصاب علیٰحدہ علیٰحدہ پورا ہوجاتا ہو تو ان کی زکوٰۃ علیٰحدہ دی جائے گی۔ اگر ہر ایک کا نصاب علیٰحدہ علیٰحدہ پورا نہ ہوتا ہو مگر ان سب کے ملا لینے سے نصاب پورا ہوجاتا ہو تو ان کو ملالیں گے اور جو زیادہ ہوگا تو زکوٰۃ میں وہی دیا جائے گا اور دونوں برابر ہوں تو اختیار ہے۔

چالیس ۴۰ بکری، بھیڑ یا دنبہ میں ایک بکری، بھیڑ دنبہ چالیس سے کم میں کچھ نہیں۔ اور ایک سو تیس ۱۳۰ تک میں صرف ایک۔

ایک سو اکیس ۱۲۱ سے دو سو ۲۰۰ تک میں دو بھیڑ یا بکریاں دو سو دو ۲۰۲ سے تین سو ننانوے تک کچھ نہیں۔

چار سو میں چار۔

گائے اور بھینس کا نصاب

گائے اور بھینس دونوں ایک قسم میں ہیں دونوں کا نصاب بھی ایک ہے ان کا نصاب تیس ۳۰ ہے اگر دونوں کے ملانے سے نصاب پورا ہوتا ہو تو دونوں کو ملالیں گے مثلاً بیس گائے ہوں اور دس بھینسیں تو دونوں کو ملا کر تیس کا نصاب پورا کریں گے۔ مگر زکوٰۃ میں وہی جانور دیا جائے گا جس کی تعداد زیادہ ہو۔ اگر گائے زیادہ ہیں تو گائے اور بھینسیں زیادہ

میں تو بھینس دی جائے گی۔ اور دونوں برابر ہوں تو اختیار ہے۔
تیس [۳۰] گائے بھینس میں ایک گائے یا بھینس کا بچہ جو پورے ایک برس کا ہو۔
تیس [۳۰] سے کم پر کچھ نہیں۔ انتالیس تک صرف ایک۔
چالیس گائے بھینس پر دو برس کا بچہ
اکتالیس سے انسٹھ [۵۹] تک کچھ نہیں۔
جب ساٹھ ہو جائیں تو ایک ایک برس کے دو بچے دیئے جائیں گے۔
پھر جب ساٹھ سے زیادہ ہو جائیں تو ہر تیس میں ایک بچہ۔

اونٹ کا نصاب

پانچ اونٹ میں زکوٰۃ فرض ہے۔ اس سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔
پانچ اونٹ کی زکوٰۃ ایک بکری ہے، خواہ نر ہو یا مادہ چھ [۶] سے چوبیس [۲۴] اونٹ تک میں کچھ نہیں۔
پچیس [۲۵] اونٹ میں ایک ایسی اونٹنی جس کا دوسرا برس شروع ہو۔
چھبیس [۲۶] سے پینتیس تک کچھ نہیں۔
چھتیس [۳۶] اونٹ میں سے ایک ایسی اونٹنی جس کو تیسرا برس شروع ہو چکا ہو۔
سینتیس [۳۷] سے پینتالیس [۴۵] تک کچھ نہیں۔

۔ چھیالیس۴۶ اُونٹ میں ایک ایسی اُونٹنی جس کو چوتھا برس شروع ہو چکا ہو۔
سینتالیس سے ساٹھ تک کچھ نہیں
اکسٹھ۶۱ میں ایک ایسی اُونٹنی جس کو پانچواں برس شروع ہوا ہو یا
باسٹھ۶۲ سے پچھتر تک کچھ نہیں۔
چھہتر۷۶ اُونٹ میں دو اُونٹنیاں جن کو تیسرا برس شروع ہوا ہو
چھہتر۷۶ سے نوے۹۰ تک کچھ نہیں۔
اکانوے۹۱ اُونٹ میں دو۲ اُونٹنیاں جن کو چوتھا برس شروع ہوا ہو
یا نوے سے ایک سو بیس۱۲۰ تک کچھ نہیں۔
ایک سو بیس۱۲۰ سے زائد ہو جائیں تو پھر نیا حساب ہوگا۔ ہر پانچ
پر اسی طریقے کو دہرایا جائے گا۔

اموال تجارت

● ـــــ زکوٰۃ جن اموال پر فرض ہوتی ہے ان کی تیسری صفت یہ ہے کہ مال سے تجارت کی نیت ہو۔ اور یہ نیت مال کی خریداری کے وقت ہی ہونی چاہیئے۔ اگر مول لینے کے بعد اس مال سے تجارت کی نیت کی جائے تو اس وقت تک وہ مال تجارتی مال نہ ہوگا جب تک اس سے عملاً تجارت شروع نہ کر دی جائے۔ اس

کے برعکس اگر کوئی شخص مال تو تجارت کی نیت سے خریدے لیکن بعد میں وہ اپنا ارادہ بدل دے یعنی تجارت کا ارادہ ترک کر دے تو وہ مالِ تجارتی نہیں ہوگا۔ اور وہ مال اُس کے گھر خواہ کتنے ہی سال پڑا رہے اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔ پھر اگر وہ تجارت کا ارادہ کر لے تو اُس کا اعتبار اس وقت سے ہوگا جب وہ عملاً اُس کی تجارت شروع کرے گا۔ یعنی نیت تجارت کے ساتھ کوئی مال بھی اُسی وقت تجارتی ہوگا جب اسے بڑھایا اور پھیلایا جائے اور جس کو اضافہ میں لایا جائے اور اس سے منافع کمانا مقصود ہو۔

مالِ تجارت اور زکوٰۃ

تحقیقات سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تجارتی اموال پر زکوٰۃ وصول کرنے کا کوئی باضابطہ نظام قائم نہیں تھا۔ بلکہ آپ نے تمام تاجر صحابہ کرام کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ وہ اپنے اموالِ تجارت میں سے زکوٰۃ نکالا کریں۔

ایک موقع پر آپ نے یہ فرمایا تھا کہ اُونٹوں پر زکوٰۃ ہے۔ بھیڑوں پر زکوٰۃ ہے، اگائیوں پر زکوٰۃ ہے اور تجارت کے کپڑے پر زکوٰۃ ہے۔

جس طرح اسلام کے بہت سے اُمور کی تشکیل و تنظیم و تدوین

اور تدبیریں خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہوئیں اسی طرح سامان تجارت پر زکوٰۃ وصول کرنے کا انتظام بھی بعد میں ہوا۔ اور اس کو بیت المال کی آمدنی کا ایک حصّہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں قرار دیا گیا۔ پھر ائمہ اور فقہائے اسلام نے بلا اختلاف مال تجارت پر ۲½ فی صد کے حساب سے زکوٰۃ واجب قرار دی

قیمت اور مال

زکوٰۃ میں تاجر سے قیمت بھی لی جا سکتی ہے اور مال بھی۔ امام احمدؒ بن حنبل کے نزدیک تاجر سے زکوٰۃ میں صرف قیمت لی جائے گی یعنی نقد روپے۔ مال نہیں لیا جائے گا۔ شافعیہ کے نزدیک مویشیوں اور پھلوں کی زکوٰۃ میں۔ مویشی اور پھل ہی لیے جا سکتے ہیں لیکن دوسرے سامانِ تجارت میں بھی مال ہی لینا بہتر ہے لیکن مجبوری ہو اور قیمت ہی مل رہی ہو تو قیمت لی جا سکتی ہے۔

حنفی مسلک میں اموال تجارت کی زکوٰۃ مال کی صورت میں بھی لی جا سکتی ہے اور نقد قیمت کی صورت میں بھی۔

تاجروں کے سامانِ تجارت میں زکوٰۃ کی شرط نصاب اور ایک سال کا پورا ہونا ہے۔ یہ شرطیں جب پوری ہو جائیں تب تاجروں کے تمام سامانِ تجارت کا حساب لگا کر اس کی قیمت زکوٰۃ میں لی جائے گی جتنی قیمت کے سامان ہوں گے۔

تجارتی مال کا نصاب

تجارتی مال کا نصاب اس کی قیمت کے اعتبار سے ہوگا۔ یعنی اگر اس کی قیمت ۳۶ تولے ساڑھے پانچ ماشے چاندی یا پانچ تولے ڈھائی ماشے سونے تک پہنچتی ہو تو اس پر زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں۔ بشرطیکہ سونے اور چاندی دونوں قیمت میں برابر ہوں ۳۶½ تولے چاندی اور ۵½ تولے سونے کی قیمت برابر ہو جب، ورنہ جس کے حساب سے نصاب پورا ہو جائے۔

مؤلّف کی رائے

ہمارے ملک میں چاندی اور سونے کی قیمت میں بہت زیادہ فرق ہے۔ چاندی ۸۵ روپے تولہ اور سونا تقریباً دو ہزار روپے تولہ ہے اور یہ کہ چاندی کا چلن بھی نہیں ہے۔ نہ تو چاندی کا روپیہ رائج ہے اور نہ چاندی کے زیورات ہی مستعمل ہیں۔ نیز یہ کہ دکانوں اور تجارت کا معیار بھی اونچا ہو گیا ہے۔ چند ہزار تو دکانوں کے سامان پر ہی لگ جاتے ہیں۔ ہزاروں سے کم میں کسی تجارت کا آغاز بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے نصاب سونے کو قرار دینا مناسب ہے۔

تاجر کیا کریں؟

جب زکوٰۃ نکالنے کا وقت آئے تو دکانداروں اور تاجروں کو چاہیئے

کہ وہ اپنی نقدی اور تجارتی سامان کا جائزہ لیں اور جملہ سامانِ تجارت کی قیمت روپے میں متعین کر لیں۔ پھر اس رقم میں اس قرض کو بھی شامل کر لیں جو انھوں نے خریداروں کو ادھار کی صورت میں یا کھاتے پیتے خوش حال لوگوں کو نقد قرض کی صورت میں دیئے ہیں۔ پھر اس مجموعی رقم میں سے وہ قرضہ جات جو خود دکان داروں اور تاجروں پر واجب الادا ہیں (جو عام طور پر تجارتی لین دین میں ہوا کرتا ہے اور تاجر یا دکان دار تھوک کاروباری سے یا تھوک کاروباری ملوں یا کارخانوں سے اور درآمد کنندگان سے لیا کرتے ہیں) منہا کر دیئے جائیں۔ منہا کے بعد جو حاصل سرمایہ یا موجودہ اسٹاک ہو اس کی ۲½ فی صد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔

مثال کے طور پر کسی تاجر کے پاس ایک لاکھ روپے کا سامانِ تجارت ہے اور دکان دار کا ادھار ۲۵ ہزار دوسروں پر ہے اور خود دکاندار پر پچاس ہزار روپے کا قرض ہے تو ایک لاکھ ۲۵ ہزار روپے سے پچاس ہزار نکال دیں۔ اب جو پچھتر ہزار روپے کا سامان اور نقد موجود ہے اس پر ۲½ فی صد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ اگر ۲۵ ہزار میں سے ۱۲ ہزار ایسا لگا ہوا قرض ہے جس کی واپسی کا امکان نہیں ہے یعنی ڈوبی ہوئی رقم ہے تو اصل سرمایہ میں سے ۱۲ ہزار کو تلف شدہ مال سمجھ کر نکال دیں اور ۱۳ ہزار کو رہنے دیں۔ اب اصل سرمایہ

ایک لاکھ ۱۳ ہزار جو رہ گیا ہے اس میں سے پچاس ہزار کو منہا کر دیں پھر ۶۳ ہزار کی زکوٰۃ نکالیں ـــــــ پھر اتفاق سے اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ ڈوبا ہوا مال واپس مل جائے تو جس دن وہ روپے ملے ہیں اور بقدر نصاب یا اس سے زیادہ ہیں تو اسی دن سے ان کا شمار ہوگا اور جب ان پر پورا ایک سال (قمری سال) گزر جائے گا تب زکوٰۃ واجب ہوگی۔

واضح رہے کہ ڈوبا ہوا روپیہ ملنے کے ساتھ ہی زکوٰۃ شروع نہیں ہوتی بلکہ نصاب پورا ہونے کی صورت میں حولان حول کے بعد زکوٰۃ فرض ہوگی۔

● ـــــــ سامان تجارت جو برسوں سے اس کے مالک کے پاس پڑا ہو تو اس پر اس کے بیچنے سے پہلے اسے کوئی زکوٰۃ ادا کرنی نہیں ہوگی اور جب وہ فروخت ہو جائے تو اس کی قیمت پر صرف ایک سال ہی کی زکوٰۃ دے گا۔

● ـــــــ جواہرات اور موتی نیز اسی قسم کی چیزوں پر زکوٰۃ نہیں ہوتی اِلّا یہ کہ یہ اشیاء تجارتی اغراض کے لیے خریدی گئی ہوں۔

ضروری متعلقہ مسائل

● ـــــــ ہر تجارتی مال کا نفع جو سال کے اندر حاصل ہوا ہو

اس کی اصل کے ساتھ ملایا جائے گا اور آخر سال میں جب اس کی اصل زکوٰۃ دی جائے گی تو اس کی بھی زکوٰۃ دی جائے گی گو اس پر پورا سال نہ گزرا۔

● —— جب کسی تاجر کو خواہ وہ مویشیوں کا تاجر ہو یا کسی دیگر اشیاء کا۔ اگر اس کے مال میں دوران سال اضافہ ہوا ہے۔ خواہ خریداری کے سبب سے اضافہ ہوا ہو یا تناسل سے، یا وراثت میں مل جانے سے یا کسی کے ہبہ کر دینے کی وجہ سے تو اس اضافی مال کو اپنے ہم جنس نصاب کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور اسی کے ساتھ اس کی بھی زکوٰۃ دی جائے گی۔

زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ

● —— ہر وہ زمین جس کے مالک اس پر قابض رہتے ہوئے اسلام لائے ہوں ان کی ملکیت ہے اور عشری زمین کہلائے گی خواہ وہ زمین عرب کی ہو یا عجم کی۔ اس کی زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ ہے۔

● —— عشر عربی زبان میں دسویں حصّہ کو کہتے ہیں اور یہاں اس سے مراد عام ہے۔ خواہ دسواں حصّہ ہو یا اس کا نصف یعنی بیسواں حصّہ یا اس کا دوگنا یعنی

پانچواں حصّہ۔ کیونکہ بعض صورتوں میں دسواں حصّہ واجب ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں پانچواں حصّہ واجب اور بعض صورتوں میں بیسواں حصّہ واجب ہوتا ہے۔

● ——— زمین کی پیداوار میں ہر قسم کے غلے، اناج اور سبزیاں درختوں کے پھل اور شہد شامل ہیں۔ ان تمام چیزوں کا عشر نکالنا فرض ہے۔

عشر کا ثبوت قرآن مجید سے بھی ہے اور احادیث سے بھی۔ اس کی فرضیت پر ائمہ کا اجماع بھی ہے اور قیاس سے بھی اس کی فرضیت ثابت کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ

اے ایمان لانے والو! جو مال تم کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لیے نکلا ہے اس میں سے بہتر حصّہ (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ

اور فصل کٹتے وقت زمین کی پیداوار کا حق دیدو۔
رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:
"جو زمین آسمان یا قدرتی چشموں سے سیراب ہو، یا بعل
ہو (جو شبنم اور اپنے اندر کے پانی سے خود بخود سیراب
ہوتی ہو) اس پر بیسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔"
(بخاری و ترمذی وغیرہ)

عشر اور زکوٰۃ میں چند نمایاں فرق

عشر اور زکوٰۃ میں چند نمایاں قسم کا فرق ہے۔ زکوٰۃ واجب ہونے
کے لیے جو شرائط مقرر کی گئی ہیں عشر میں وہ شرطیں نہیں ہیں مثلاً

- عشر کے واجب ہونے میں کسی نصاب کی شرط نہیں
اس بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا
مسلک یہ ہے کہ پیداوار کم ہو یا زیادہ صدقہ بہرحال
وصول کیا جائے گا۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ
علیہ تمام زیرِ کاشت زمین کی پیداوار سے عشر لینے
کے قائل تو ہیں مگر چار من سے کم پیداوار پر عشر لینا
صحیح نہیں سمجھتے۔
- شافعیہ مالکیہ اور مسلک حنبلیہ کا اس پر اتفاق ہے
کہ پھلوں اور غلوں کا نصاب چار من اس وقت ہے

جبکہ وہ خشک ہو چکے ہوں اور انھیں چھلکوں وغیرہ سے صاف کر لیا گیا ہو۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک اگر چاول سے چھلکے چھڑائے نہ گئے ہوں یعنی وہ "دھان" ہی ہوں، تو اس کا نصاب چار من کی بجائے آٹھ من ہو گا۔ یا غلہ اور چھلکے کے تناسب سے ہو گا۔

● — یہ بھی شرط نہیں ہے کہ وہ چیز ایک سال تک باقی رہ سکے۔ جو چیزیں نہ باقی رہ سکیں ان پر بھی عشر واجب ہے۔ جیسے ہر قسم کی سبزیاں، کھیرا، ککڑی تربوز، خربوزہ، لیموں، نارنگی، امرود، آم وغیرہ اسی طرح پھلیوں میں سیم، باقلا، لوبیا، مٹر، ماش ارہر، مونگ، مسور، چنا وغیرہ۔

● — ایک سال گزرنے کی بھی قید نہیں۔ حتیٰ کہ اگر کسی زمین میں سال کے اندر دو مرتبہ کاشت کی جائے تو ہر مرتبہ کی پیداوار میں عشر واجب ہے۔ سال میں دو مرتبہ تو اکثر زمین کاشت کی جاتی ہے۔ مگر مگر درختوں میں سوائے امرود کے کوئی درخت سال میں دو مرتبہ نہیں پھلتا اور بالفرض اگر کوئی درخت دو مرتبہ یا اس سے زیادہ پھلے تو ہر مرتبہ عشر دینا ہو گا۔

- عشر کے واجب ہونے کے لیے عاقل ہونے کی بھی شرط نہیں۔ مجنوں کے مال میں بھی عشر واجب ہے۔
- بالغ ہونا بھی شرط نہیں۔ نابالغ کے مال میں بھی عشر واجب ہوگا۔
- آزاد ہونا بھی شرط نہیں۔
- زمین کا مالک ہونا بھی شرط نہیں۔ اگر وقف زمین ہو یا زمین دار کی زمین ہو اور مزارع اس پر کاشت کرتا ہو یا کرایہ پر لے کر اس زمین میں کاشت کی گئی ہو۔ بہرحال پیداوار پر عشر ہے۔

چند شرائط

- عشر اسی زمین کی پیداوار پر واجب ہے جس میں کوئی اناج بویا گیا ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ پیداوار قابلِ خرید و فروخت ہو۔ اگر خودرو ہو مثلاً لکڑی، گھانس، بانس، نرکل وغیرہ تو اس پر عشر نہیں ہے لیکن اگر یہی چیزیں کسی دوسری جگہ یا مقام پر قابلِ قدر ہوں خریدی اور بیچی جاتی ہوں۔ تو وہاں عشر واجب ہوگا لیکن یہ چیزیں جہاں قابلِ قدر نہ ہوں خرید و فروخت میں نہ آتی ہوں تو وہاں عشر واجب

نہیں ہوگا۔

● —— دوسری شرط یہ ہے کہ وہ زمین خراجی نہ ہو ایک ہی زمین سے دو حق وصول نہیں کیے جاسکتے، جو زمین خراجی ہوگی اس سے صرف خراج لیا جائے گا اور جو عشری ہوگی اُس سے صرف عشر لیا جائے گا۔

۲۰ بیسواں حصّہ

جو زمین خراجی نہ ہو اور وہ بارش یا دریا کے پانی سے سینچی جاتی ہو جسے بارانی کہتے ہیں تو اس کی پیداوار میں عشر یعنی دسواں حصہ فرض ہے لیکن جو زمین کنوئیں کے پانی سے سینچی جائے یا جس کی سینچائی کے لیے پانی مول لیا جائے تو ایسی زمین کی پیداوار پر بیسواں حصّہ فرض ہے۔

● —— اگر کوئی زمین دونوں قسم کے پانی سے سینچی گئی ہو تو اس میں اکثر کا اعتبار ہوگا یعنی اگر زیادہ تر بارش یا دریا کے پانی سے سیراب کی گئی ہے تو عشر دینا پڑے گا ورنہ نصف عشر دینا ہوگا۔

● —— اگر ایسے جنگل اور پہاڑ ہیں، جن کی حفاظت کا انتظام حکومت وقت کی طرف سے ہو تو ان سے جو پیداوار حاصل ہوگی اس سے بھی عُشر لیا جائے گا اس لیے کہ اسلامی حکومت نے رہزنوں کی لوٹ کھسوٹ

اور کافروں کے حملوں سے اسے محفوظ رکھا ہے۔

خراجی اور عشری کا فرق

- عشری وہ زمین ہے کہ جس کو مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کیا ہو اور وہاں کی زمین اپنے لشکر پر تقسیم کر دی ہو یا وہاں کے رہنے والے اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے ہوں۔
- خراجی وہ زمین ہے جس کو مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح نہ کیا ہو۔ بلکہ وہاں کی زمین بذریعہ صلح فتح ہوئی ہو یا یہ کہ دوسری قوموں نے اسلامی مملکت سے اس شرط پر صلح کر لی ہو وہ حکومت کا فیصلہ تسلیم کرتے ہیں اور اس کی تقسیم کو قبول کرتے ہیں اور یہ کہ وہ سالانہ خراج مسلمانوں کو ادا کریں گے اور یہ کہ وہ اہل ذمہ قرار دیے جائیں گے یعنی اس ٹیکس کے عوض مسلمان ان کی حفاظت کریں گے۔ اس شرط صلح والی زمین خراجی کہلائے گی اور معاہدے کے مطابق ان کی زمینوں کا مالیہ لیا جائے گا۔
- پاکستان میں مسلمانوں کی جتنی زمینیں ہیں سب عشری ہیں اور یہاں زمین کے مالک جو غیر مسلم ہیں ان کی

زمینوں سے بھی عشر ہی لیا جائے گا۔

زرعی اخراجات منہا نہیں کیے جائیں گے

● ـــــ زمین کی کل پیداوار پر زرعی اخراجات منہا کیے بغیر عشر لیا جائے گا۔ یعنی بیج کی قیمت بیلوں کا کرایہ ہل چلانے والے یا کھیت کی حفاظت کرنے والوں کی مزدوری یا کھیت کا لگان وغیرہ اس سے وضع نہیں کیا جائے گا مثلاً کسی کھیت میں بیس من غلہ پیدا ہوا تو مالک پیداوار کو دو من عشر نکال دینا چاہیئے اگر زمین آسمان کی بارش یا دریا کے مفت پانی سے سینچی گئی ہے تب بیس من میں دو من عشر ہو گا۔ اور اگر کنوئیں سے یا آبیانہ دے کر سیراب کرائی جانے والی زمین ہے تو اس سے بیس من میں صرف ایک من عشر لیا جائے گا یعنی بیسواں حصہ۔ یہ نہ کرنا چاہیئے کہ اس بیس من غلہ سے تمام اس کے اخراجات کاشت نکال لینے کے بعد جو باقی رہ جائے مثلاً دس من رہ جائے تو اس کا عشر ایک من یا نصف عشر بیس سیر نکالے۔

ضروری متعلقہ مسائل

- جس غلہ اور جس پھل پر عشر واجب ہو گیا ہو اس کا استعمال بغیر عشر ادا کیے جائز نہیں اور اگر استعمال میں لائے گا تو اُسے تاوان ادا کرنا پڑے گا۔
- جس شخص پر عشر فرض ہے اور وہ عشر ادا کیے بغیر مر جائے تو اُس کے مال متروکہ سے عشر وصول کیا جائے گا خواہ وہ اپنے مال کی وصیت کر گیا ہو یا نہ کر گیا ہو۔
- قابل کاشت زمین کو بلا عذر زیر کاشت نہ لانا جرم ہے اس لیے جو شخص قدرت کے باوجود اپنی قابل کاشت زمین پر کاشت نہیں کرے گا جب بھی اس کو عشر ادا کرنا پڑے گا۔
- اگر کسی شخص نے فصل لگی ہوئی کھیتی یا پھل لگا ہوا باغ فروخت کیا ہے۔ اگر اس نے ان کو فصل پکنے سے پہلا فروخت کیا ہے تو عشر خریدار کے ذمے ہو گا اور اگر پکنے کے بعد بیچا ہے تو عشر فروخت کنندہ کے ذمے ہو گا۔
- کرایہ کی زمین میں عشر کرایہ دار پر ہو گا کیونکہ اس نے کاشت کی ہے۔ عاریتاً دی ہوئی زمین کی پیداوار پر عشر وہی

شخص دے گا جس نے عاریتاً زمین لی ہے اور اس پر کاشت کاری کی ہے۔

● ——— اگر کسی زمین پر دو کاشت کاروں نے مل کر کاشت کاری کی ہے تو دونوں کو عشر ادا کرنا پڑے گا۔ خواہ ان میں سے کسی ایک ہی کا بیج ہو۔

● ——— عشر میں جو غلہ پیدا ہوا ہے وہی غلہ بھی دیا جا سکتا ہے یا اس کی قیمت بھی دی جا سکتی ہے۔

● ——— اگر کسی گھر میں پھل دار درخت ہیں تو ان پر عشر نہیں ہوگا۔

● ——— رہائشی مکان اگر وسیع ہے اور اس میں ایک پائیں باغ بھی ہے۔ جس میں ہر قسم کے پھلدار درخت ہیں، جب بھی اس پیداوار پر عشر نہیں لگے گا۔ البتہ اس کے پھلوں میں سے اپنے عزیز رشتہ داروں یا بستی کے غریب لوگوں میں کچھ بھجوا دینا یہ کافی ہو جائے گا۔ اور باعث برکت ہوگا۔

دواؤں کے اجناس

● ——— زرعی پیداوار میں ہر قسم کی زرعی پیداوار جو غذا اور خوراک کے کام آتی ہو ان پر زکوٰۃ ہے لیکن جو جنس

پیداوار مصالحوں یا دواؤں کے کام آتی ہو امام شافعی
کے نزدیک ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ ان کے نزدیک زرعی
پیداوار کے لیے غذائی اجناس ہونا ضروری ہے' اس
شرط کی وجہ سے ان کے نزدیک مصالحے اور دواؤں
کے اجناس احکام زکوٰۃ سے خارج ہو جاتی ہیں۔
زیرا، دھنیا، تل، خشخاش، الائچی، لونگ وغیرہ
مصالحہ ہونے کی وجہ سے اور سیاہ مرچ، سونٹھ'
سونف اور اجوائن دوا ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ سے
خارج ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک
زمین کی اس پیداوار میں بھی زکوٰۃ ہے۔ اور اس کا نصاب
بھی دس سیر پیداوار میں ایک سیر زکوٰۃ ہو گی۔

مولف کی رائے

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعض احادیث، بعض صحابہ کرام
کے عمل، تابعین کے فیصلے، خلفاء اور ان کے عمال کے طرز عمل اور ہدایات
کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ درختوں میں لگے ہوئے
پھلوں کا تخمینہ کرنا جائز ہے۔

مسلم معاشرہ اگر حساس اور خدا ترس ہو اور زکوٰۃ اور عشر کی اہمیت

کو سمجھتا ہو، تو اس کے کاشت کاروں، زمینداروں اور مزارعوں کو اپنی فصلوں کا تخمینہ کر کے دسواں، بیسواں یا پانچواں حصہ خود نکال دینا چاہیئے۔ یا یہ کہ ان کی قیمت نکال کر علیحدہ کر لینی چاہیئے اس کے بعد اپنے پھلوں کو استعمال میں لانا چاہیئے، تاکہ ان کی خوراک مزکی اور بابرکت ہو جائیں۔ بعد میں جب غلے تول لیے جائیں تو اندازے کی تصحیح کر لی جائے۔

حکومت عمال اگر وقت پر پہنچ سکیں تو تخمینہ ایک دوسرے کی موجودگی میں ہو جائے تو بہتر، ورنہ اپنے استعمال سے پہلے اپنی پیداوار پر عشر ہوں کا حق خود نکال دینا چاہیئے۔

مالک سے اگر اندازے میں غلطی بھی ہو جائے گی تو اس کی پکڑ انشاء اللہ اللہ تعالیٰ کے یہاں نہیں ہو گی، کیونکہ بعض احادیث ملتی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے عمال کو ہدایت فرمائی تھی کہ پھلوں کے پکنے اور چننے کے زمانہ میں پھلوں کی اتنی مقدار کو حساب سے معاف کر دیا جائے جو ان کے کھانے میں آئے۔ آپ نے ایک مرتبہ خاص طور پر یہ ہدایت فرمائی تھی کہ جب تم باغات کا اندازہ لگایا کرو تو تہائی چھوڑ دیا کرو اگر تہائی نہ چھوڑو تو چوتھائی ضرور چھوڑ دیا کرو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تخمینہ لگانے والوں کو بھیجتے تو فرماتے تھے "تخفیف کرنا"، کیونکہ حال میں راہگیروں کا بھی حصہ ہے۔

اسلامی ریاست نے اگر ایسے تخمینہ کار مقرر کیے ہوں جو تخمینہ کرتے ہیں تو فیصلہ انہی (تخمینہ کاروں) کا قبول ہو گا۔ لیکن اگر یہ تخمینہ صریحاً

غلط معلوم ہو اور مالک کے لیے ناقابل قبول ہو۔ تو اس کی اصلاح کی جائے گی لیکن اگر عام قسم کی قابل برداشت غلطی ہو، تو برداشت کر دیا جائے گا۔

تخمینہ یعنی خرص میں چونکہ کمی وبیشی کے خطرات ہیں اس لیے بعض ائمہ نے اس کی مخالفت کی ہے، تاہم اندازہ لگانے میں چھوٹ دینے کا اگر رجحان موجود ہو مثلاً یہ کہ مالک یا اس کے بچوں نے آکر کچھ کھا لیا ہو تو اس کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ جائز بھی ہے اور حکومت اور عوام کے لیے بھی اسی میں سہولت بھی ہے۔

پھلوں میں خاص کر انگوروں اور کھجوروں کا اندازہ لگا کر حصہ وصول کرنے کا حکم تو واضح طور پر ملتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب کھجوریں پک جائیں اور ابھی درختوں پر ہی ہوتیں تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عبداللہ بن رواحہ کو یہود کے پاس بھیجتے تاکہ وہ کھجوروں میں سے اپنے حصہ کی مقدار کا اندازہ لگائیں قبل اس کے کہ انھیں کھایا جائے۔ پھر وہ یہودیوں کو اختیار دیتے کہ جتنی کھجوروں کا اندازہ تم نے لگایا ہے وہ ہمیں دے دو بقیہ رکھ لو یا وہ تم خود رکھ لو بقیہ ہم کو دے دو۔

خرص کے معاملہ پر اختلاف

خرص کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ جب پھل پک جائیں اور ابھی توڑے نہ گئے ہوں تو حکومت کا عامل جا کر ان میں سے عشر کی مقدار کا اندازہ کر لے۔

ائمہ اربعہ میں حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اُن کے شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک خرص ناجائز ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اُن کے شاگردوں، نیز امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک خرص سنت ہے۔ ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خرص کھجوروں اور انگوروں میں ہے غلے میں نہیں ہے۔

بہر حال یہ مسئلہ آج کل قابل توجہ ہے۔ علماء اور فقہاء کو اس پر غور کرنا چاہیئے کہ غلوں کا تخمینہ ہونا چاہیئے یا نہیں؟

کپاس پر عشر

کپاس ہمارے ملک کی اہم پیداوار ہے۔ یہ پیداوار بھی عشری ہے اس کا نصاب اُونٹ کا حمل یعنی بار سے ہوگا ——— اگر روئی کی پیداوار پانچ حمل ہو تو اس پر دسواں حصّہ عشر ہوگا۔

ایک بار تین سو من کا ہوگا = ۱/۲ سیر

اور ایک من = آدھ سیر کے =

۳۰۰ من = ۱۵۰ سیر یعنی تین من ۳۰ سیر

۱۵۰ سیر × ۵ = ۷۵۰ یعنی ۱۸ من ۳۰ سیر

اس کا دسواں حصّہ عشر ۷۵ سیر ہوا = ایک من ۳۰ سیر

کپاس کی پیداوار جب ۱۸ من ۳۰ سیر ہوگی تو اس کا عشر ایک من

۲۰ سیر نکالا جائے گا۔

عشر کی وصولی کا ایک اور طریقہ

ہمارے ملک کی بڑی فصلیں گنا، روئی، گندم اور چاول ہیں، جن کی خریداری عام طور پر سرکاری ادارہ یا ان کی فیکٹریاں کرتی ہیں۔ بہت تھوڑا مال منڈی میں یا ذاتی استعمال میں آتا ہے۔ اگر ان تمام کو ادائیگی کرنے سے پہلے عشر نکالنے کی ہدایت کر دی جائے تو وصولی آسانی سے ہو جائے گی۔

سبزیاں اور ترکاریاں

سبزیوں اور ترکاریوں پر عشر کا مسئلہ علماء کے درمیان ہمیشہ سے وجہ اختلاف رہا ہے۔

فقیہان اسلام میں اکثر فقہا کی رائے میں سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک زمین کی اسی پیداوار پر زکوٰۃ فرض ہے جس کا خشک ہونے کے بعد خوراک کے لیے ذخیرہ کیا جاتا ہو، چنانچہ ان کے نزدیک پھلوں میں سوائے کھجور اور کشمکش کے کسی پھل پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ سبزیوں پر بھی ان کے نزدیک زکوٰۃ نہیں ہے۔

امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک زمین کی اس

پیداوار پر زکوٰۃ فرض ہے جس کا خشک ہونے کے بعد ذخیرہ کیا جاتا ہو خواہ وہ غذا کے کام آتی ہو یا نہ آتی ہو چنانچہ ان کے نزدیک تمام خشک میوہ جات پر زکوٰۃ فرض ہے۔ سبزیوں پر زکوٰۃ ان کے نزدیک بھی فرض نہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک زمین کی ہر پیداوار پر زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ اس کی کاشت سے زمین کو ترقی دینے اور اسے مزید کاشت کے لیے مفید بنانے کا مقصد پیشِ نظر رہتا ہو' اس لحاظ سے ان کے نزدیک زمین سے اگنے والی چیزوں سے صرف ایندھن' بانس گھاس اور وہ درخت زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں جو کوئی پھل نہ دیتے ہوں۔ ان کے نزدیک سبزیوں پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

سبزیوں پر زکوٰۃ کے سلسلے میں قرآن پاک کی ان دونوں آیات وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ اور وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ کو پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں ان کا حکم عام ہے' ان آیات میں کسی بھی پیداوار کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا ہے۔ باقی رہیں وہ احادیث جن میں سبزیوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اول تو ان احادیث کی سند ہی میں کلام ہے لیکن اگر انھیں قابل حجت بھی مان لیا جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان کا مطلب یہ ہے کہ سبزیوں کی زکوٰۃ حکومت وصول نہیں کرے گی۔ بلکہ ان کا مالک ان کی زکوٰۃ بطور خود مستحقین میں تقسیم کرے گا۔

جو احادیث سبزیوں پر زکوٰۃ نہ دینے میں بیان میں گئی ہیں وہ یہ ہیں:

- ولید بن عیسیٰ نے ہم سے بیان کیا ہے کہ میں نے موسیٰ بن طلحہ کو یہ کہتے سُنا ہے کہ ترسبزیوں، تربوز، ککڑی اور کھیرے میں عشر نہیں ہے۔
- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سبزیوں میں زکوٰۃ نہیں، یعنی ترکاری، کھیرا، تربوز اور وہ تمام چیزیں جن کے تنہ نہیں ہوتا۔
- اَبان نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے بیان کیا ہے کہ اُنھوں نے کہا کہ بغیر تنہ کی ترکاریوں میں زکوٰۃ نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ نے ان احادیث کی روایت میں کلام کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ان کا مطلب زیادہ سے زیادہ یہ نکل سکتا ہے کہ سبزیوں کی زکوٰۃ سرکاری سطح پر وصول نہیں کی جائے گی بلکہ کاشتکار بطورِ خود عشر نکال کر مستحقین کو دے دے گا۔

مؤلف کی رائے

مؤلف کے نزدیک مناسب صورت یہی ہے کہ سبزیوں پر بھی عشر لگایا جائے۔ خاص کر ان دیہاتوں کی زمین پر جہاں سے شہر قریب ہے اور پیدا شدہ سبزیاں شہروں میں فروخت ہوتی ہیں۔

ان سے عشر وصول کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ چنگی ناکہ پر عشر وصول کرنے والے سرکاری ملازمین موجود ہوں جو شہر میں داخل ہونے والی ارضی پیداوار پر جو شہر میں فروخت ہونے کے لیے آتی ہیں ان سے عشر وصول کرلیں۔

سبزیوں کے جن ٹرکوں سے سبزیوں کا عشر وصول کیا جائے ان سے چنگی ناکہ ٹیکس نہ لیا جائے اور یہ کہ ان ناکوں کا ٹھیکہ بھی نہ دیا جائے۔ بلکہ حکومت براہِ راست ان کا بندوبست کرے۔

شہد کی زکوٰۃ

شہد کی زکوٰۃ کا مسئلہ ائمہ کے درمیان اختلافی ہے امام ابو حنیفہ اور آپ کے شاگردوں اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک شہد پر زکوٰۃ واجب ہے اور وہ اس کے لیے دلیل یہ دیتے ہیں کہ شہد کی زکوٰۃ کے متعلق گرچہ صحیح حدیث کوئی نہیں ہے تاہم اگر کئی ضعیف حدیثیں جمع ہو جائیں تو سب احادیث مل کر قوی بن جاتی ہیں۔ پھر یہ کہ شہد درختوں اور پھلوں سے حاصل ہوتا ہے اور یہ تولا جاتا ہے اور اس کا ذخیرہ ہو سکتا ہے، اس لیے قیاس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک شہد پر زکوٰۃ کی شرط یہ ہے کہ وہ عشری زمین سے ہو، ان کے نزدیک اس کا نصاب کوئی نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس کا عشری زمین پہ ہونا

ضروری نہیں ہے، لیکن نصاب ہونا ضروری ہے، اور وہ دو من ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا نصاب تقریباً پانچ سیر اور امام محمد کے نزدیک ۲½ سیر اس کا نصاب ہے۔

امام شافعی کے نزدیک یہ مسئلہ اختیاری ہے جو چاہے دے جو چاہے نہ دے۔

معدنیات

معدنیات اور دفینے کا مجموعی نام رکاز ہے۔ یعنی رکاز اس مال کو کہتے ہیں جو زمین میں پوشیدہ ہو خواہ اسے کسی نے گاڑا ہو جیسے روپے پیسے، سونا چاندی، زیورات وغیرہ۔ جیسا کہ برصغیر پاک و ہند کے لوگوں کا دستور ہے یا یہ کہ وہ زمین کے اندر ہی قدرتی طور پر پیدا ہوا ہو جسے کان یا معدن کہتے ہیں۔ جیسے لوہے کی کان، ابرک کی کان، کوئلے کی کان، سونے چاندی کی کان وغیرہ۔

زمین میں کسی انسان کے گاڑے ہوئے دفینے کو فقہی اصطلاح میں کنز اور قدرتی طور پر پیدا ہونے والے خزانے کو معدن کہتے ہیں۔

معدن منجمد

اگر کسی مسلمان یا ذمی کو دارالاسلام کے کسی علاقے کی کسی زمین میں ایسی معدنیات یا کان مل جائے جو منجمد ہو، مگر آگ میں ڈالنے سے نرم

ہو جاتی ہو جیسے لوہا، چاندی، سونا، رانگا پارہ وغیرہ (پارہ گرچہ خود آگ پر نہیں ٹھہرتا مگر دوسری چیز کے ساتھ ملا کر ٹھہر جاتا ہے)

وہ زمین جس میں معدن نکلا ہے، اگر وہ کسی کی ملکیت ہے اور اس کا مالک کوئی فرد واحد ہے تو اس معدن کا ایک حصّہ بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا اور چار حصّے مالک زمین کے ہوں گے۔ اور اگر وہ زمین ایسی ہے جو کسی فرد واحد کی ملکیت نہیں ہے بلکہ تمام مسلمانوں کی ہے تو معدنیات ساری کی ساری بیت المال کی ملکیت ہو گی کیونکہ بیت المال تمام مسلمانوں کا خزانہ ہے۔ تیسری صورت اگر یہ ہو کہ وہ کسی کی ملکیت نہ ہو تو اس معدن کا پانچواں حصّہ بیت المال کا ہو گا اور چار حصّے اس معدن کو پانے والے کے ہوں گے۔

غیر منجمد معدن

اگر وہ معدن کسی ایسی چیز کا ہو جو غیر منجمد یعنی سیال ہو جیسے تیل، پٹرول گیس وغیرہ یا آگ میں ڈالنے سے وہ معدن نرم نہ ہوتی ہو جیسے جواہرات تو ان میں بیت المال کا کچھ بھی حصّہ نہیں ہے بلکہ وہ سب پانے والے کا ہے۔

اسی طرح اگر کسی کے گھر میں یا دکان میں کوئی معدن نکل آئے تو وہ

بھی کل اسی کا ہے بیت المال کا اس میں کوئی حصّہ نہیں ہے۔

سونا چاندی جو معدن سے نکلے گا تو اُسی وقت اُس کی زکوٰۃ نکال دی جائے گی۔ زکوٰۃ وہی بیسواں حصّہ ہے اس لیے سال پورا ہونے کی شرط نہیں ہے بلکہ فوری ادائیگی ہوگی۔ البتہ کچے سونا اور چاندی پر نہیں بلکہ جب اس کو صاف کر دیا جائے گا یعنی جب وہ خالص اور ستھرا ہو جائے گا تب اس سے زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ اور اس کا نصاب بھی وہی ہوگا جو سونا اور چاندی کا نصاب ہوتا ہے۔

دارالاسلام میں کسی کافر کو معدن نکالنے کا حق نہیں دیا جائے گا۔

کنز دفینے

اگر کسی مسلمان یا ذمّی کو دفینہ مل جائے تو اوّل اس بات کا پتہ لگایا جائے گا کہ وہ دفینہ یعنی گاڑا ہوا مال کس کا ہے۔ کسی مسلمان کا ہے یا کسی کافر کا۔ اگر کسی واضح قرینے سے یہ معلوم ہو جائے کہ کسی کافر کا خزانہ ہے، یا یہ کہ کچھ نہ معلوم ہو سکے کہ کس کا ہے۔ تو ایسی صورت میں گاڑے ہوئے مال کا پانچواں حصّہ بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا باقی چار حصّے پانے والے کو مل جائیں گے، خواہ وہ زمین کسی ملکیت ہو یا نہ ہو۔

● —— اگر کسی واضح قرینے سے یہ معلوم ہو جائے کہ گاڑا ہوا یہ مال کسی مسلمان کا ہے، تو وہ لقطہ ہو جائے گا۔

اور لقطہ کا حکم یہ ہے کہ عام شاہراہوں پر اور مسجدوں

کے دروازوں پر اس کی منادی کرائی جائے گی، یہاں تک کوئی دعویدار مل جائے گا یا اس کا مالک نہ ملے گا تو وہ مال فقیروں کو دے دیا جائے گا۔ یا اگر بیت المال قائم ہو گا تو وہاں جمع کرا دیا جائے گا۔ پانے والے خود کوئی غریب آدمی ہو تو وہ اس کو اپنی ذات پر خرچ کر لے گا۔

رکاز کا مصرف

رکاز کی زکوٰۃ کا مصرف امام مالک، امام ابوحنیفہ اور جمہور کے نزدیک مالِ غنیمت کا مصرف ہے یعنی حکومت اسے اپنی ضروریات اور رفاہ عامہ کے کاموں میں صرف کرے گی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اس کا مصرف عام زکوٰۃ کا مصرف ہے۔

معدنیات پر زکوٰۃ کا مسئلہ

● حنفیہ کے نزدیک معدنیات کی تین قسمیں ہیں:

ایکؔ وہ جسے گرم کر کے اس پر مہر لگائی جا سکتی ہو یا یہ اس کو مختلف شکلوں میں ڈھالا جا سکتا ہو، جیسے سونا، چاندی، پیتل، تانبہ، لوہا، سکہ وغیرہ۔

دوسری قسم مائع ہے، جیسے پٹرول مٹی کا تیل، اور مختلف قسم کی گیسیں جو زمین سے نکلتی ہیں۔ جیسے سوئی گیس وغیرہ۔

تیسری قسم وہ ہے جو نہ مائع ہو اور نہ انہیں پر گرم کر کے مہر لگائی جا سکتی ہو جیسے جواہر اور یاقوت وغیرہ۔ حنفیہ کے نزدیک ان تینوں قسموں میں سے زکوٰۃ صرف پہلی قسم پر واجب ہے۔ دوسری اور تیسری قسم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ البتہ پارہ پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اگرچہ وہ مائع ہے۔

● ـــــ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک زکوٰۃ صرف سونے اور چاندی پر ہے۔ دوسری کسی دھات پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

● ـــــ امام احمد بن حنبل کے نزدیک زمین سے باہر نکلنے والی معدن پر زکوٰۃ واجب ہے خواہ وہ جامد ہو یا مائع۔

مؤلف کی رائے

● ـــــ تیل اور گیس آج کل نجی ذرائع سے چونکہ نہیں نکالے جاتے ہیں بلکہ سرکاری سطح پر یہ کام ہوتا ہے، اس

لیے حکومت کو اس سے زکوٰۃ نکالنی چاہیئے اور رفاہِ عامہ کے خزانے میں اس کو رکھنا چاہیئے۔ اس آمدنی سے سرکاری اور رفاہِ عامہ کے کام وسیع پیمانے پر کیے جا سکتے ہیں، اور اس طرح رفاہِ عامہ اور ترقیات کے لیے جو ٹیکس لگائے جاتے ہیں، ان میں کمی ہو جائے گی۔ اور عوام پر سے ٹیکس کا بوجھ کم ہو جائے گا۔ اور اس طرح رفتہ رفتہ، زکوٰۃ، صدقات اور عشر کے علاوہ کسی مزید ٹیکس کی کوئی ضرورت پیش نہ آئے گی۔

● ——— یاقوت، زمرد، سنگِ مرمر، سنگِ سُرخ وغیرہ آج کل قیمتی معدنیات ہیں ان کے ذریعہ وسیع پیمانے پر زرِ مبادلہ کمایا جاتا ہے اور کمایا جا سکتا ہے۔ اس کو بھی نجی ملکیت میں رہنے نہیں دیا جائے گا۔ بلکہ سرکاری طور پر ایسی قطعات اراضی اور پہاڑیاں، میدان وغیرہ نجی مالکان سے خرید لی جانی چاہیئے اور سرکاری سطح پر ان کو نکالنے کا کام ہونا چاہیئے۔ اور اگر ان کو نجی ملکیت سے نکالنا ممکن نہ ہو تو مالکان معدنیات سے ان کی زکوٰۃ وصول کی جائے کیونکہ یہ ایک بڑا ذریعہ آمدنی ہے جس کو چھوڑ کر حکومت ترقیاتی کاموں کو عوام پر بھاری ٹیکس لگائے بغیر پورا نہیں کر سکتی۔

مستحقین زکوٰۃ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم جس اہتمام اور تاکید سے دیا ہے، اسی اہتمام اور تاکید کے ساتھ یہ بھی فرما دیا ہے کہ زکوٰۃ کے مستحقین کون کون لوگ ہیں۔ بلکہ زکوٰۃ کی وصولی کی نسبت مصارف کو زیادہ واضح اور تعین کے ساتھ بیان فرما دیا ہے تاکہ حاجت مندوں کو زیادہ سے زیادہ معاشی تحفظ حاصل ہو جائے۔ کوئی حاکم اپنی خواہش کے مطابق یا کوئی لالچی اپنی لالچ کی بنیاد پر کوئی ایسا غلط طریقہ اختیار کرنے نہ پائے جس سے اصل حقدار محروم اور بے حق فیض یاب ہو جائیں۔ نیز اس کام کو حاکمِ وقت کی صوابدید اور اس کے نقطۂ انتخاب پر بھی نہیں چھوڑا گیا ہے بلکہ مستحقین کی فہرست دے دی گئی ہے اور بتا دیا گیا ہے کہ اس فہرست کی تعریف میں جو لوگ آتے ہیں وہ مستحق ہیں اور جو نہیں آتے ہیں مستحق نہیں ہیں۔

سنن ابو داؤد کی روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے صدقات میں سے کچھ دیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے صدقے کے بارے میں کسی نبی یا کسی اور کا حکم چلنے کو پسند نہیں کیا ہے بلکہ وہ خود اس کے بارے میں حاکمانہ اختیارات رکھتا ہے۔ چنانچہ اس نے صدقات کے مصارف کو آٹھ حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ اگر تم بھی ان حصّوں میں سے ہوتے

تو میں تمھیں تمھارا حق دیتا۔

حقداروں کی فہرست

زکوٰۃ و صدقات لینے کے حقدار آٹھ قسم کے لوگ ہیں ان سب کا ذکر قرآن پاک کی اس آیت میں ہوا ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔

یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور لوگوں کے لیے جو صدقات کے مال مامور ہوں اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو، نیز یہ گردن چھڑانے اور قرضداروں کی مدد کرنے میں اور راہِ خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔

اس آیت میں صدقات سے صدقات واجبہ مراد ہیں۔ صدقات نافلہ کا ان لوگوں کے سوا دوسرے لوگوں کو بھی دینا جائز ہے۔

صدقات واجبہ اور نافلہ

صدقات کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ واجب ۲۔ نفل

واجب وہ صدقات ہیں جن کی فرضیت یا وجوب شریعت سے ثابت ہوں، جیسے زکوٰۃ اور عشر۔ صدقہ الفطر اور نذر مانے ہوئے صدقے ان کے علاوہ اپنی طرف سے جو کوئی صدقہ دے تو وہ نفل ہے۔ صدقات واجبہ ان گنے ہوئے آٹھ قسم کے لوگوں کے سوا کسی کو دینا جائز نہیں ہے۔

صدقہ۔ معنی اور مفہوم

صدقہ کے لغوی معنی سچائی، ضمیر اور اعتقاد کے مطابق بولنا، ظاہر و باطن کا یکساں ہونا۔ نیز کسی چیز سے جو توقع کی جائے اس پر اس کا پورا اترنا۔ اس معنی کے لحاظ سے صدقہ ہر اس عمل کو کہا جاتا ہے جو ایک مسلمان اپنے ایمان کی سلامتی کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی پیروی میں کرتا ہے اور اس سے اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی ہوتی ہے۔ اس کا کم سے کم درجہ احساس شہریت (CIVIC SENSE) ہے اور بڑا درجہ معاشی طور پر پریشان حال لوگوں اور معذوروں اور حاجت مندوں کو معاشی تحفظ دینے کے

کام میں اسلامی ریاست کے ساتھ کھلا تعاون کرنا اور زکوٰۃ واجبہ پوری ایمان داری سے ادا کرنا ہے ویسے راستہ سے کسی اذیت دینے والی چیز مثلاً کانٹے یا پتھر کا ہٹا دینا۔ کیلے کے چھلکے یا دوسرے چھلکے جن سے پھسل کر آدمی گر سکتا ہے دور کر دینا صدقہ ہے۔

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملنا یہ بھی صدقہ ہے۔

سلام کرنا بھی صدقہ ہے

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنا بھی صدقہ ہے

سُبْحَانَ اللّٰہ کہنا بھی صدقہ ہے

کسی راہ گیر کو پتہ نشان بتا دینا بھی صدقہ ہے

بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک بھی صدقہ ہے۔

اپنے بیوی بچوں پر اپنی کمائی صرف کرنا بھی صدقہ ہے۔

غرضیکہ ہر وہ کام جو نیکی، رفاہِ عامہ، ہمہ گیر اصلاح، احسان، احساس ذمہ داری، فرض شناسی اور عام بھلائی کا ہو سب کا سب صدقہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان تمام کاموں کے لیے جو رذائل اخلاق و بخل دور کرتے ہیں یا جن سے نفس کو مہذب و شائستہ بنایا جاتا ہے، یا جن سے اجتماعی الفت و محبت اور انسان کے درمیان ہمدردی ہوتی ہے، صدقات فرمایا ہے۔

آپ کے ارشاد کے مطابق :

صدقہ یہ بھی ہے :

مَا اَعْطَیْتَہٗ فِیْ ذَاتِ اللّٰہِ لِلْفُقَرَاء

جو کچھ تم اللہ کی خاطر محتاجوں کو دے دو۔

صدقہ یہ بھی ہے :

مَا تَصَدَّقْتَ بِہٖ عَلَی الْفُقَرَاء ۔

اجر کے خیال سے جو کچھ تم فقراء کو دے دو

صدقہ یہ بھی ہے :

اَلصَّدَقَۃُ مَا یُخْرِجہ الانسان من مالہ علی وجہ القربۃ کالزکوٰۃ

انسان اپنے مال میں سے جو کچھ قرب الٰہی کے لیے نکالتا ہے صدقہ ہے جیسے زکوٰۃ۔

صدقہ یہ بھی ہے کہ :

ایک مسلمان اپنی عطیات رضائے الٰہی کے لیے رضاکارانہ ادا کرے۔

صدقہ یہ بھی ہے کہ :

ایک مسلمان معینہ واجبات مالی جو اسلامی حکومت کی طرف سے معین و فرض ہوں حکومت کے خوف سے یا برضا و رغبت فرض سمجھ کر ادا کرے۔

صدقہ اور زکوٰۃ ؟

صدقہ اور زکوٰۃ دو مختلف چیزیں ہیں یا دونوں ایک ہی ہیں اس میں بہت ہی باریک اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام شافعی کا خیال ہے کہ صدقہ اور زکوٰۃ دونوں ایک ہی ہیں۔ جو زکوٰۃ ہے وہی صدقہ ہے اور جو صدقہ ہے وہی زکوٰۃ ہے۔ امام وردی لکھتے ہیں کہ صدقہ زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ صدقہ ہے۔ تاہم جدا جدا ہیں لیکن وہ ایک ہی چیز ہیں ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ جو یوسف القرضاوی کے اُستاذ ہیں اُنھوں نے لکھا ہے کہ مکہ میں جو سورتیں نازل ہوئی ہیں ان میں لفظ زکوٰۃ استعمال ہوا ہے۔ لیکن مدینہ میں اسی مقصد کے لیے لفظ صدقہ استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں گیارہ مقامات پر لفظ صدقہ یا صدقات آئے ہیں اور یہ سب مدنی صورتوں میں ہیں مکی سورتوں میں اس مقصد کے لیے لفظ زکوٰۃ آیا ہے۔

عصر حاضر کے مفکر اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ

نے تفہیم القرآن میں صدقات اور زکوٰۃ کی کوئی علیحدہ فہرست نہیں بنائی ہے بلکہ صدقہ کی جگہ پر "زکوٰۃ" دیکھو لکھا ہے۔

امام ابو عبید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کے مطابق صدقہ اموال مسلمین کی زکوٰۃ ہے جو سونے، چاندی، اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری، غلہ اور پھلوں پر لی جاتی ہے۔ یہ ان آٹھ اصناف میں محدود رہے گی جن کے نام اللہ تعالیٰ نے متعین فرمادیئے ہیں۔ ان کے سوا دوسروں کا اس میں کوئی حق نہیں۔ لیکن اسلامی مملکت کے جو دوسرے مصارف ہیں وہ کس طرح پورے ہوں گے۔ اس کے لیے انھوں نے صدقہ اور زکوٰۃ کی تفریق کی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ صدقات تو وہ ہیں جن کے مصارف کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے مقابلے میں زکوٰۃ ایک ہمہ گیر مالی مطالبہ ہے جو صرف فقر و فاقہ دُور کرنے اور حاجت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ مملکت کی تمام فوجی اور انتظامی ضروریات کی کفیل بھی ہے۔

مولف کی رائے

ایک ریاست چاہے وہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی اس کی ذمہ داریوں میں صرف حاجت مندوں کی احتیاج پورا کرنا نہیں ہوتا ہے بلکہ بہت سے رفاہی، دفاعی، تعلیمی اور انتظامی مسائل کو حل کرنا بھی ہوتا

ہے اس لیے اس کو متعدد قسموں کے ٹیکس لگانے ہوتے ہیں۔

اسلامی حکومت چونکہ رفاہی ہوتی ہے اس لیے اس کی ذمہ داریاں بھی بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ اپنی ان ذمہ داریوں کا ایک بڑا حصہ تو وہ صدقات مفروضہ کے ذریعہ پورا کر لیتی ہے۔ لیکن باقی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے وہ کیا کرے گی؟ یہی سوال ہے جس کے جواب کے لیے لفظ صدقہ اور زکوٰۃ کی تشریح ضروری ہے۔

امام ابو عبید اور دیگر علماء اور فقہاء اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلامی ریاست کو چلانے کے لیے صرف زکوٰۃ جن کے مصارف قرآن مجید میں بیان کر دیئے گئے ہیں کافی نہیں ہوں گے۔ مزید آمدنی کی ضرورت ہو گی۔ اس مزید ذریعہ آمدنی یا ہمہ گیر مالی مطالبہ کو وہ زکوٰۃ کا نام دیتے ہیں۔ بلکہ ہمارے خیال میں اس ہمہ گیر مالی مطالبہ کا نام صدقات یا صدقہ نافلہ ہونا چاہیئے کیونکہ

● ــــــ تمام مسلمان زکوٰۃ سے زکوٰۃ مفروضہ ہی مراد لیتے ہیں جس کی ادائیگی وہ ہر سال اپنے اموال مویشی اور زرعی پیداوار میں کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے مالی مطالبہ کو زکوٰۃ کے نام پر نہیں دے سکیں گے۔ جبکہ حکومت کے پاس اب نہ خرچ کی آمدنی ہے، نہ غنیمت میں کچھ ملتا ہے اور نہ فئی کی آمدنی ہے۔ ایسی صورت میں ہمہ گیر مالی

مطالبہ صدقات کے نام سے کیا جانا چاہیئے۔

● ـــــــ اس سے پہلے بھی جب مسلمانوں میں بیت المال کا رواج تھا اس وقت بھی بیت المال کی تحویل میں دیا ہوا مال صدقہ کہلاتا تھا۔ البتہ خزانے الگ الگ اور کھاتے جداگانہ ہوتے تھے۔ ایک ہی بیت المال سے تمام ملکی ضروریات پوری ہوتی تھیں۔ سربراہ مملکت ان کا نگران اعلیٰ ہوتا تھا۔ اس لیے آج کل کی اسلامی حکومت اپنی ضروریات کے لیے خواہ وہ ضرورت دفاعی ہو یا تعلیمی۔ نظم و نسق کو چلانے کے لیے ہو یا ترقیاتی اسکیموں کے لیے جو ٹیکس لگائے گی وہ اسلامی اصطلاح میں ٹیکس نہیں کہلائے گا بلکہ صدقہ کہلائے گا۔ حتیٰ کہ اگر شراب کی درآمد و برآمد یا فروخت کسی وجہ سے ہوتی ہو اور اس پر جو ڈیوٹی لگائی جائے گی اس کو بھی صدقۃ الخمر کہا جائے گا۔

دوسرے لوگ جن میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی شامل ہیں کہتے ہیں کہ حدود سلطنت میں رہنے والے تمام لوگوں سے مال کی وصولی کا ایک ایسا طریقہ رائج ہونا چاہیئے جس کی ادائیگی آسان اور حوصلہ افزا ہو دینے والے کے دل میں یہ جذبہ کام کرے کہ وہ ٹیکس

نہیں دے رہا ہے بلکہ نیکی کے ایک کام میں اپنا مال صرف کر رہا ہے۔ اور اس کے دیئے ہوئے مال سے ملی اجتماعی ضرورت پوری ہو گی جس کا اجر اس کو اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی ملے گا۔ دوسری طرف زکوٰۃ کی صورت میں حاصل آمدنی اور صدقات کی صورت میں ملنے والی آمدنی ملا کر اجتماعی ضروریات پر خرچ کی جائیں گی ـــــ بقول شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اسلامی ریاست کے سربراہ کو چاہیئے کہ صدقات واذکوٰۃ میں توسیع کر دے تا کہ وہ زکوٰۃ ملک کو درپیش تمام ضروریات کے لیے کافی ہو سکے۔ اس کی ایک صورت ہمارے نزدیک یہ بھی ہے کہ حاجت ضروریہ کا ایک معیار مقرر کر کے باقی سامان پر زکوٰۃ عائد کر دی جائے۔

- ـــــ ایک رہائشی مکان کے علاوہ تمام دوسرے خالی یا کرائے پر لگے ہوئے مکانات کی آمدنی نہیں بلکہ مالیت پر زکوٰۃ لگا دی جائے۔
- ـــــ فیکٹری کی تمام مصنوعات پر زکوٰۃ عائد کر دی جائے
- ـــــ تمام سینما گھروں۔ ہر تیار ہونے والی فلموں، اور

فلموں میں کام آنے والے اسٹوڈیو کے تمام سامان
پر صدقۃ التفریح لگا دیا جائے وغیرہ۔

چند الجھنیں اور ان کے ازالے کی تدبیر

● —— کروڑوں کی تعداد میں دنیا میں مسلمان ہیں اور سو سے کچھ زیادہ مسلمان ریاستیں بھی ہیں لیکن بدقسمتی سے دنیا میں کسی جگہ بھی پورا اسلامی نظام قائم نہیں ہے چونکہ اسلامی نظام قائم نہیں ہے اس لیے صدقات و زکوٰۃ کا مالیاتی نظام مسلمانوں کے درمیان رائج نہیں ہے۔
اب جبکہ اس مالیاتی نظام کو رواج دینے کی کوششیں کی جا رہی ہیں تو مبہم سے تصورات بہت سی پیچیدگیوں کے ساتھ سامنے آ رہے ہیں۔ آئے دن اخبارات میں لوگوں کی زبانوں پر مجلسوں میں یہ سوالات اٹھائے جا رہے ہیں۔ مثلاً یہ کہ

● —— زکوٰۃ کی وصولی کے بعد کوئی مزید ٹیکس لگایا جائے گا یا نہیں؟

● —— زکوٰۃ کے نفاذ کے بعد کوئی نیا ٹیکس لگانا جائز نہیں زکوٰۃ یعنی مالی فریضہ کے اخراجات کے مدات بھی گنا دیئے گئے ہیں۔ ان اخراجات کے علاوہ اخراجات

پھر کس طرح پورے کیے جائیں گے؟ وغیرہ وغیرہ۔

● ——— ہمارے دانست میں یہ سب الجھنیں صرف اس وجہ سے ہیں کہ زکوٰۃ اور صدقہ کے درمیان جو باریک سا فرق ہے اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی جارہی ہے۔

● ——— تزکیۂ مال و نفس کرتے رہنے کا نام زکوٰۃ ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق ادائیگی فرض کے لیے اپنے مال میں سے جو ۲ ½ فی صد ایک مسلمان خرچ کرتا ہے یا بیت المال میں جمع کراتا ہے وہ دراصل ایک فرض ہے، ایک حق ہے، ایک مطالبہ ہے، اس کی ادائیگی لازمی ہے۔ یہ ہے تو دراصل صدقہ مفروضہ لیکن اصطلاح میں اس کو زکوٰۃ اس لیے کہتے ہیں اس سے ایک مسلمان کے مال اور نفس کا تزکیہ ہوتا ہے۔ اس کے ایمان کی پہچان بھی ہوتی ہے اور نیکی کی راہ میں آگے بڑھنے کی اس سے توفیق بھی ملتی ہے۔

خذ من اموالهم صدقة تطهرهم تزكيهم۔

اے نبی تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انھیں پاک کردو اور نیکی کی راہ میں ان کو بڑھاؤ۔

● —— فرض صدقہ کے علاوہ نفلی صدقات بھی ہیں، اس طرح اس فرض زکوٰۃ جس کا دوسرا نام صدقہ بھی ہے، نفلی زکوٰۃ ہیں۔ اور اس میں زکوٰۃ نفس اور زکوٰۃ مال دونوں شامل ہیں۔ یہ دونوں کام صدقات نفلی اور صدقاتِ واجبہ، زکوٰۃ نفسی اور زکوٰۃ اموال واجبہ مسلم معاشرے میں ہر وقت ہر روز اور ہر زمانہ میں جاری رہنے کے لیے ہیں جس طرح آدمی ہر روز صبح سے شام تک اپنے نفس کی اصلاح کے لیے فکرمند رہتا ہے اسی طرح ہر وہ آدمی جو اپنے مال میں سے یا اپنی کمائی میں اگر کچھ بھی دے سکتا ہے دینے کے لیے ہمیشہ مستعد و آمادہ رہتا ہے تاکہ اس کا مال پاک و طاہر رہے اور باقی اموال میں خیر و برکت ہو۔

● —— شکر نعمت کے طور پر راہِ خدا میں آدمی جو مال خرچ کرتا ہے وہ صدقہ نفلی بھی کہلاتا ہے اور زکوٰۃ مالی بھی۔

قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً

اے نبی! میرے جو بندے ایمان لائے ہیں ان سے کہہ دو کہ

وہ نماز قائم کریں۔ اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے کھلے
اور چھپے راہِ خدا میں خرچ کریں۔

یعنی مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیئے، اور اس شکر گزاری کی عملی صورت
یہ ہے کہ نماز قائم کریں اور خدا کی راہ میں اپنے مال خرچ کریں۔

ایک مسلمان کے لیے خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کی نوعیتیں
مختلف ہوسکتی ہیں۔ یہ خرچ اگر نصاب زکوٰۃ کے مطابق سال میں ایک
مرتبہ ہوسکتا ہے تو کبھی اسلامی ریاستوں کی ضرورت کے لیے مال
نصاب سے بہت زیادہ ہوسکتا ہے کبھی دفاعی ضرورتوں یا جنگی
ضروریات کے لیے اپنے مال کا نصف حصّہ بالکل دے دینا پڑتا ہے۔

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ
فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ
وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَهُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ۔

میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے اور اسے میں ان
لوگوں کے حق میں لکھوں گا جو نافرمانی سے پرہیز کریں گے،
زکوٰۃ دیں گے اور میری آیات پر ایمان لائیں گے۔

فقراء

قرآن مجید میں مستحقین زکوٰۃ کے جو ہشت گانہ مصارف بیان کیے گئے ہیں ان میں فقراء کو پھر مساکین کو سب سے زیادہ مستحق زکوٰۃ قرار دیا گیا ہے۔

فقیر اور مسکین کے معنی و مفہوم اور ان کے باہمی فرق کو متعین کرنے میں اور اس بات میں کہ دونوں میں سے کون زیادہ بدحال ہے فقہاء اور مفسرین میں اختلاف رائے ہے لیکن اختلاف کے باوجود سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ یہ دونوں اولین مستحقین زکوٰۃ ہیں اور ایک ہی گروہ کی یہ دو قسمیں ہیں۔ جو حاجت مند اور ضرورت مند ہے اور جو غنی کے برعکس حالات میں مبتلا ہے۔

غنی وہ ہے جو مختلف حالات میں اپنی بنیادی ضرورتوں کا خود کفیل ہو اور فقیر وہ ہے جو اپنی بنیادی ضرورتیں پوری کرنے میں خود کفیل نہ ہو بلکہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی کفالت کے سلسلے میں مالداروں کی امداد کا طالب ہو۔ مزید وضاحت کے لیے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مسلم معاشرے میں غنی یا مالدار وہ کہلائے گا جو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے مالی وسائل رکھتا

ہو۔ اور فقیر وہ ہے جسے اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے مالی وسائل مہیا نہ ہوں، مگر بالکل تہی دست بھی نہ ہو۔

● ـــــ امام ابوحنیفہ، امام زہری، حضرت ابن عباس حضرت حسن بصری، ابوالحسن کرخی اور دوسرے بزرگوں نے فقیر کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ لوگ جن کے پاس کچھ نہ کچھ مال تو ہو، مگر وہ ان کی ضرورتوں کے لیے کافی نہ ہو۔ تنگ دستی میں گزر بسر کرتے ہوں مگر کسی سے مانگتے نہ ہوں۔

● ـــــ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اور احادیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہم ترین مصرف زکوٰۃ فقراء ہی کو قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہ تنگ دست ہونے کے ساتھ ساتھ لٹے پٹے بے در اور بے گھر مہاجر بھی ہیں للفقراء المہاجرین کے ساتھ اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ یعنی جو اپنے گھروں اور اموال سے بے دخل کر دیئے گئے ہوں کہا گیا ہے۔

● ـــــ امام شافعی کے نزدیک فقیر وہ ہے جس کے پاس کسی قسم کا مال نہ ہو اور نہ ہی وہ کوئی ہنر جانتا ہو

اور نہ کوئی پیشہ رکھتا ہو جس سے وہ اپنی گزر بسر کر سکتا ہو، خواہ وہ معذور واپاہج ہو یا معذور واپاہج نہ ہو۔ بھیک مانگتا ہو، یا بھیک نہ مانگتا ہو۔ بلکہ اپنی آبرو لیے بیٹھا ہو جو کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرتا ہو۔

فقیر کون ہے

بے روزگار فقیر ہے۔ بے روزگاری خواہ کسی وجہ سے ہو

- جس کنبہ میں کوئی کمانے والا نہ ہو وہ کنبہ فقیر ہے۔ کنبہ کی کفالت کرنے والا بے کار ہو گیا ہو جب بھی، وہ بیمار رہنے لگا ہو جب بھی، وہ کمانے کی اہلیت سے کسی وجہ سے مجبور ہو گیا ہو جب بھی کنبہ فقیر کہلائے گا۔
- مہنگائی زیادہ اور آمدنی اتنی کم ہو کہ اس کی اور بال بچوں کی پرورش صحیح طور پر نہ ہو سکتی ہو، وہ فقیر کہلائے گا۔
- کسی کنبہ کا سرپرست مر گیا ہو اور اس کے پسماندگان، روزی کمانے والے کے نہ رہنے کی وجہ سے روزی سے محروم ہو گئے ہوں تو

یہ خاندان بھی فقیر کہلائے گا۔ غرضیکہ معاشرے کا ہر وہ فرد جس کے پاس نہ مال ہو نہ روزگار، اور نہ کوئی ہنر جانتا ہو فقیر ہے۔

- وہ شخص بھی فقیر ہے جس کے پاس مال ہو، یا وہ کوئی ہنر جانتا ہو مگر وہ حلال نہیں ہے۔
- اور ایسا شخص بھی فقیر ہی کہلائے گا جس کے پاس کچھ روپے پیسے بھی ہوں اور وہ حلال بھی ہوں، یا وہ کوئی ہنر جانتا ہو اور اس سے اپنی اور اپنے بال بچوں کی پرورش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر اس کی آمدنی اتنی کم ہو کہ اس سے اس کی حاجتیں پوری نہ ہوتی ہوں فقیر کہلائے گا۔
- ایک درویش کا قول ہے کہ فقیر وہ ہے کہ جس کے سینے میں معرفت کے سات خزانے ہوں۔ (یعنی بشریت کی اگلی سات منازل طے کر چکا ہو) نفس پر اتنا قابو ہو کہ ہمسایہ اس سے بے خبر ہو۔

حکومت کو کیا کرنا چاہیئے؟

اب جبکہ پاکستان میں زکوٰۃ کا نظام قائم ہے جا رہا ہے۔

حکومت ملک سے فقیری کا خاتمہ کرنے کے لیے ایک جامع منصوبہ بنائے اور جس کے لیے مندرجہ ذیل طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں۔

۱۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعہ زکوٰۃ کی اہمیت اور فضیلت کا زور شور سے چرچا کیا جائے اور ایسے طریقے اختیار کیے جائیں جس سے عام مسلمانوں کے اندر اس نظام کو چلانے کا رضاکارانہ جذبہ پیدا ہو جائے۔

۲۔ ملک میں موجود تمام بے کار، بے روزگار اور کساد بازاری کا شکار لوگوں کی ایک معتبر فہرست تیار کی جائے۔

۳۔ ایسے تمام لوگ جو حالت فقر میں ہیں یعنی بے کار صاحب ہنر، اور بے ہنر، بے روزگار قابل محنت اور ناقابل محنت، ان سب کی درجہ بندی کرائی جائے۔

۴۔ پھر حاصل شدہ فہرست کے مطابق ہر ایک کا فقر دور کرنے کے لیے یہ کیا جائے کہ جو لوگ ہنر یا پیشہ جانتے ہوں اور وہ پیشہ حلال اور ہنر مفید ہو تو ان کو ضروری اوزار اور آلات مہیا کیے جائیں مثلاً اگر کوئی موٹر میکینک ہو یا موٹر سائیکل مرمت کرنا جانتا ہو، ریڈیو یا ٹیلی ویژن کا کاریگر ہے تو ان کو نہ صرف یہ کہ ضروری آلات اور اوزار فراہم کیے جائیں بلکہ کاروبار کے سلسلے میں ان کے لیے مشورے کا بندوبست بھی کیا جائے، اور ان کے گھر کے فوری اخراجات

کے لیے نقد روپے بھی دیئے جائیں۔

دیہاتوں میں کھیتی باڑی کی مزدوری سے فارغ ہو کر کئی کئی دیہاتوں ہی میں کام کا بندوبست کیا جائے۔ ان کو مرغبانی، مویشیوں کی پرورش، جانوروں کے گوبر سے کھاد تیار کرنے کے طریقے۔ چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی سے زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے طریقے، ٹریکٹر کی فوری مرمت اور ان کو چلانے کی تربیت وغیرہ دینے کا بندوبست کیا جائے۔ مزید برآں کپڑوں پر معمولی چھپائی، ٹوپیاں بننے کے طریقے، غبارے بنانے کے طریقے، جفت سازی اور بچوں کے کھلونے بنانے کے طریقے بتائے جائیں۔

اگر کوئی ایسا علاقہ ہے جہاں کے فقراء کو معاشی تحفظ دینے کے لیے چھوٹی فیکٹری یا کاٹیج انڈسٹریز قائم کی جا سکتی ہیں، تو چھوٹے چھوٹے کارخانے قائم کر کے ان کے معاشی مسائل حل کر دیئے جائیں۔ البتہ صنعتیں قائم کرتے وقت اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ وہ کامیاب اور مقبول قسم کی صنعتیں ہوں، آبادی کے مناسب ہوں اور تربیت دینے میں آسان ہوں۔

حکومت کی کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ سب ڈویژنوں اور ضلعوں کی بنیاد پر تمام حاجت مندوں کی درجہ بندی

کرائے پھر بتدریج ایک ایک علاقے میں اموالِ زکوٰۃ سے مفید کارخانے اور تجارتی ادارے بنا کر ان کو ان ضرورت مندوں کی ملکیت میں دے دیا جائے جو کام کرنے کی قدرت رکھتے ہوں وہ ان سے اپنی محنت کی مزدوری بھی لیں اور نفع کی صورت میں منافع بھی حاصل کریں۔ لیکن ان کی نگران حکومت ہو، جس کی ذمہ داری صرف یہ ہو کہ وہ دیکھے کہ تنخواہ یا مزدوری اور منافع ملا کر ہر خاندان کو ماہانہ اتنا مل جاتا ہے یا نہیں کہ وہ فراغت سے زندگی گزار سکے اور معاشرے میں عزت سے رہ سکے ایسا اگر ہوتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اصلاح کرے مزید سرمایہ لگا کر کارخانے کی توسیع کرے یا دوسری تدابیر اختیار کرے۔

سرکاری فہرست میں درج اُن لوگوں کے لیے جو اپاہج، اندھے بے حد ضعیف، ناتواں مرد اور عورتیں، بیوائیں اور یتیم اور بے سہارا بچے ہیں، ان کی باعزت گزربسر کے لیے ماہانہ وظیفے مقرر کر دیئے جائیں۔ سالانہ وظیفے بھی مقرر کیے جا سکتے ہیں مگر فی الحال مناسب نہیں ہے۔ ماہانہ وظائف کی تقسیم کا طریقہ انتہائی سہل اور باعزت ہونا چاہیئے۔ کم ظرف سرکاری افسروں کے ذریعہ نہیں ہونا چاہیئے اور نہ ان لوگوں کے ہاتھوں ہونا چاہیئے جن کا مزاج ایذا پسند ہو۔ یہ کام قصبے کے بڑے بوڑھے، ایمان دار، دردمند لوگوں، اسکولوں کے اساتذہ اور مساجد کے اماموں کے ذریعہ ہونا چاہیئے۔

ان تمام تر انتظامات کا مقصد رضائے الٰہی ہونا چاہیئے اور اس کے پیچھے یہ درد مند جذبہ کارفرما ہونا چاہیئے کہ ملک سے فقر و فاقہ کی لعنت کسی طرح دور ہو جائے۔

مساکین

فقراء اور مساکین کے درمیان فرق تو ہے لیکن بہت باریک فرق ہے مساکین کی حقیقت حال سے جو قریب ترین تعریف کی گئی ہے وہ یہ کہ مسکین وہ ہے جو اپنی حاجت اور ضرورت کے مطابق مال نہ رکھتا ہو۔ اس کی ظاہری حالت اتنی پراگندہ بھی نہ ہو کہ دیکھنے والا اس کی پریشان حالی کو بیک نظر پہچان جائے، وہ خوددار اور غیرت مند بھی ہو، کھڑے ہو کر دست سوال دراز نہ کرتا ہو مگر ہو ضرورت مند، پریشان حال۔ گویا وہ شریف آدمی تو ہو مگر غریب اور بدحال۔

مسکنت کے لفظ میں عاجزی، درماندگی، بے چارگی اور ذلت کے مفہوم شامل ہیں۔ اس اعتبار سے مساکین وہ لوگ ہیں جو عام حاجتمندوں کی نسبت زیادہ خستہ حال ہوں۔

● ــــــ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک مسکین فقیر کے مقابلے میں زیادہ تنگ دست اور خستہ حال

ہے، ان کے نزدیک مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور فقیر وہ ہے جس کے پاس مال تو ہو لیکن اس کی ضرورتوں کے مطابق نہ ہو۔

- امام شافعی ان کے برعکس یہ تعریف کرتے ہیں کہ فقیر کی تنگ دستی مسکین سے زیادہ ہے، اور یہی بات امام احمد بن حنبل بھی کہتے ہیں۔
- امام مالک اور امام ابو یوسف فقیر اور مسکین کو ایک ہی زمرے میں رکھتے ہیں اور ان کے درمیان کوئی فرق بیان نہیں کرتے۔
- مسکین کی ایک تعریف یہ کی گئی ہے، ہر وہ شخص مسکین ہے جو کوئی کاروبار تو کرتا ہو یا برسرِ روزگار تو ہو لیکن اس ذریعہ آمدنی سے اس کی گزر اوقات صحیح طور پر نہ ہوتی ہو۔ یعنی وہ کام تو کچھ نہ کچھ کر رہا ہے لیکن اس سے اس کی بنیادی ضرورتیں پوری نہیں ہوتی ہوں۔ مثلاً رہنے کے لیے اس کے پاس مکان نہ ہو، یا تن ڈھانکنے کے لیے ستر پوش کپڑے نہ ہوں، یا اس کے متعلقین کا معمولی طور پر بھی گزارہ نہ ہوتا ہو۔ وہ ان کی رہائش کا انتظام کرتا ہے تو ان کے لباس کا انتظام نہیں ہو پاتا ہے۔

پیٹ میں کچھ جاتا ہے تو بدن پر کچھ نہیں رہتا۔ الغرض ایک کش مکش کا عالم ہے۔ جس کا وہ خاموشی سے مقابلہ کر رہا ہے۔ بالکل ہیلے آسرا بھی نہیں کہ قدم قدم پر احتیاج حائل ہو۔ عزت بچانے کے لیے دست سوال بھی نہیں پھیلاتا ——— فقراء کے بعد مساکین کا یہی گروہ قابلِ توجہ ہے، اور اسی کی حالت قابل اصلاح ہے۔

قابلِ توجہ حقیقت

فقراء اور مساکین کی ان گوناگوں تعریفوں کی وجہ سے یا یہ کہ اسلامی تعلیمات کی رُوح سے کسی قدر عدم واقفیت کی بناء پر بعض لوگ پیشہ ور قسم کے بھیک منگوں ہی کو مستحق زکوٰۃ سمجھ کر اپنی زکوٰۃ ان کو دے دیا کرتے ہیں۔ وہ ایسے تمام لوگوں کو جو اس رُوپ اور بھیس بدل کر مسجدوں کے دروازوں پر بازاروں میں اور پبلک مقامات پر کھڑے رہتے ہیں اور لوگوں کے سامنے دست سوال بڑھاتے رہتے ہیں، پیٹ لپیٹ کر مانگتے ہیں۔ انہی کو فقیر اور مسکین سمجھ لیتے ہیں۔

فقراء اور مساکین کے بارے میں یہ تصوّر بڑا قدیم ہے۔ اسلام میں اس تصوّر کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اسلام میں بھیک مانگنا ممنوع ہے، باعثِ ذلت ہے۔ اور اس کی سخت حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔

حتیٰ کہ غیر مسلم کو بھی جو اسلامی ریاست کا شہری ہو بھیک مانگنے کی مجبوری میں مبتلا ہونے نہیں دیا جاتا ہے ــــ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بوڑھے یہودی یا عیسائی کو بازار میں بھیک مانگتے دیکھا تو آپ نے دیکھ کر فرمایا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس کی جوانی کی توانائیوں سے تو ہم فائدے اُٹھائیں اور بڑھاپے میں اسے بے سہارا چھوڑ دیں۔ چنانچہ بیت المال سے آپ نے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سوال کرنے کو ذلت قرار دیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد گراں قدر کی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کسی سے کوئی چیز مانگنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے اگر کبھی کوڑا گر جاتا تھا تو اسے بھی گھوڑے سے اُتر کر خود جا کر اُٹھاتے تھے مگر کسی سے مانگتے نہ تھے۔

● ــــ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ خواہ مخواہ کے سائلوں سے اللہ تعالیٰ کے یہاں باز پرس ہو گی۔

● ــــ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے یَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنْ یَدِ السُّفْلیٰ اُوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے" یعنی دنیا لینے سے بہتر ہے۔

غرضیکہ ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریوزہ گری کرنے اور کسی انسان کا کسی دوسرے انسان کے آگے ہاتھ پھیلانے کو باعث شرم قرار دیا اور دوسری طرف ضرورت مندوں اور حاجتمندوں کی نشان دہی فرما کر ان کی طرف لوگوں کو توجہ دینے کی ترغیب فرمائی ہے۔

● ——— آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مسکین وہ نہیں ہے جو لوگوں کے ارد گرد گھومتا پھرے اور ایک لقمہ یا دو لقمے یا ایک کھجور یا دو کھجوریں دے دیئے جائیں تو چلتا بنے۔ بلکہ مسکین وہ ہے جو خود دار ہو اور تم چاہو تو کہہ لو کہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر نہ مانگتا ہو ——— پھر یہی نہیں بلکہ بعض اوقات نشان دہی کر کے فرما دیتے تھے کہ فلاں فلاں افراد حقیقی ضرورت مند ہیں، اور وہ بجا طور پر معاشرے سے اعانت کا استحقاق رکھتے ہیں۔

● ——— ایک اور روایت میں ہے کہ مسکین وہ نہیں جو لوگوں کے ارد گرد گھومتا پھرے اور ایک لقمہ یا دو لقمے یا ایک کھجور یا دو کھجوریں اسے لوٹا دیں بلکہ مسکین وہ ہے جو اپنی حاجت بھر مال نہیں پاتا اور نہ ظاہری حالت سے پہچانا جاتا ہو کہ اس

کی مدد کی جائے، اور نہ راستوں پر کھڑا ہو کر لوگوں سے مانگتا ہو یہی وہ مسکین ہے جو باوجود اس کے کہ لوگ اسے درخور اعتناء نہ سمجھتے ہوں اور اسے پہچانتے بھی نہ ہوں، مدد و اعانت کا مستحق ہے۔ رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی توجہ ان کی طرف مبذول کرائی ہے۔ کہ ایسے شریف لوگ ہیں، جو گھر بار والے ہیں، خوددار گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں مگر ان پر تنگی کا وقت آگیا ہے۔ یا عاجزی اور درماندگی انھیں لے بیٹھی ہے۔ یا ان کے مال میں قلت اور عیال میں کثرت ہوگئی ہے یا کام کاج اور محنت مزدوری سے انھیں اتنی آمدنی نہیں ہوتی کہ ان کی جائز ضروریات کو پورا کر سکے۔

ان تمام تفصیلات سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آگئی کہ سب سے زیادہ قابل ترجیح مستحقین زکوٰۃ فقراء اور مساکین ہیں۔ جو غریب مگر شریف ہیں۔ جو صاحبِ روزگار اور صاحب جائیداد ہیں مگر حاجت مند ہیں۔

● ——— امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ ایسا شخص جس کے پاس مکان بھی ہو اور ایک خادم بھی کیا وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

آپ نے جواب دیا کہ ہاں اگر وہ ضرورت مند ہو تو لے لے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

● امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اگر کسی شخص کے پاس کوئی غیر منقولہ جائداد ہو جس سے اس کو آمدنی ہوتی ہو، یا دس ہزار یا اس سے کسی قدر کم و بیش کی جائیداد ہو، مگر اس کی آمدنی سے اس کی ضرورت پوری نہ ہوتی ہوں تو کیا وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے، آپ نے جواب دیا ہاں وہ کچھ رقم لے سکتا ہے۔

● امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس غیر منقولہ جائیداد ہو مگر اس کی آمدنی اس کی ضرورت سے کم ہو تو وہ فقراء اور مساکین کے زمرے میں آئے گا اور اسے زکوٰۃ میں سے اتنا مال دیا جائے گا کہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے۔ اس کو جائیداد فروخت کر دینے کے لیے مکلف نہیں بنایا جائے گا۔

● امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی کے پاس زکوٰۃ کے نصاب یا اس سے زیادہ دولت ہو اور اس کے پاس موضوع و

مناسب گھر اور خادم بھی ہو تو کثرت عیال کی وجہ سے اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

حنفی مسلک میں ان سب سے زیادہ گنجائش ہے

احناف اس بات کے قائل ہیں کہ ایک ایسا آدمی جس کے پاس رہنے کے لیے مکان، خدمت کے لیے خادم، سواری کے لیے گھوڑا، ضرورت کے مطابق اسلحے، پہننے کے لیے مناسب کپڑے اور پڑھا لکھا آدمی ہو اور اس کے پاس کتابیں ہوں۔ پھر بھی ایسے شخص کو زکوٰۃ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ اپنی دلیل میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس حدیث کو پیش کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ایسے شخص کو بھی زکوٰۃ دیا کرتے تھے، جس کے پاس گھوڑا ہتھیار، خادم اور مکان کی شکل میں دس ہزار درہم کا مالک ہوا کرتا تھا۔ اس لیے کہ یہ چیزیں تو انسان کی وہ لازمی ضروریات ہیں جن کے بغیر چارہ نہیں۔ لہذا زکوٰۃ کے استحقاق کے معاملے میں ان کا ہونا یا نہ ہونا سب برابر ہے۔

کام چوروں کے لیے کچھ نہیں

فقراء اور مساکین کے متعلق جو باتیں بتائی گئی ہیں ان سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ زکوٰۃ و صدقات کے استحقاق کا دارومدار ضرورت ہے۔ فرد کی ضرورت اس کے اہل و عیال اور کنبے کی ضرورت، یہ ضرورتیں اگر محنت و مزدوری، کام کاج، روزگار اور پیشہ وری کے باوجود اگر پوری نہ ہوتی ہوں تو وہ زکوٰۃ و صدقات کا مستحق ہے، لیکن ایسا کوئی آدمی، زکوٰۃ کی رقم میں سے ایک پیسہ کا بھی حقدار نہیں ہے، جو کام چور ہے، ایک تندرست و توانا اور کمانے پر قدرت رکھنے والا آدمی، جو کام، کاروبار یا محنت مزدوری کر کے اپنے آپ کو دوسروں کی مدد سے بے نیاز کر سکتا ہو، اور کچھ نہ کرے، وہ کام چور ہے۔ اس کو صدقات و زکوٰۃ میں سے کچھ نہیں دینا چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوری وضاحت وصراحت سے فرمایا ہے کہ صدقہ وغیرہ کی مال دار طاقت ور اور سلیم الاعضاء شخص کے لیے جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے طاقت و توانائی اسی لیے دی ہے کہ آدمی اسے کام میں لائے۔ کسی کے پاس طاقت و قوت ہے اور وہ اپنی اس صلاحیت کو کام میں نہ لائے تو صرف قوت اس کو کپڑا نہیں پہنا سکتی اور نہ اس کے بھوکے پیٹ کو بھر سکتی ہے۔

ضروری وضاحت

کسی شخص کا بظاہر تندرست و توانا ہونا، یا قوی الجثہ اور

طاقت ور نظر آنا اس کو زکوٰۃ کے استحقاق سے یکسر محروم نہیں کر دیتا۔ کیونکہ کسی اجنبی آدمی کی ظاہری حالت کو دیکھ کر اس کی اندرونی زبوں حالی یا مجبوری کا صحیح صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے اس لیے سرے سے اس کو زکوٰۃ کا مال دینے سے انکار کرنے کی بجائے اس کے سامنے مسئلہ کی وضاحت کی جائے پھر اس کو اختیار دیا جائے چاہے تو وہ لے لے چاہے نہ لے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کو اس کے شایانِ شان کام نہ مل رہا ہو۔ ایک بی اے پاس سے سڑک پر جھاڑو دینے اور اسٹیشن پر قلی کا کام لینا ظلم ہے۔ اس سے معاشرے میں دوسرے قسم کا فساد پھیل سکتا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "کام کے قابل" ہونے کے معاملے میں "قابل لحاظ" بات یہ بھی ہے کہ آدمی کو کام اس کے شایان شان مل رہا ہو، ورنہ جو کام اس کے شایانِ شان نہ ہو وہ اگر مل بھی سکتا ہو تو وہ نہ ملنے کے مترادف ہے پڑھے لکھے آدمی سے یہ کہنا کہ تم قلی کا کام یا پتھر توڑنے کی محنت تو کر سکتے ہو، پھر کیوں نہ کرتے ظلم ہے۔ اس لیے کام چور آدمی کی تعریف میں یہ الفاظ بھی شامل سمجھنا چاہیئے کہ تندرست و توانا ہو اور اس کے شایانِ شان اس کو کام کے مواقع بھی میسر ہوں پھر بھی وہ بے کاری کو شغلہ سمجھتا ہو، وہ ہے کام چور، اور زکوٰۃ پہ گزر بسر کرنے کا خواہش مند۔

۱۔ ذرائع آمدنی پر پابندی

فقر و مسکنت اسلامی معاشرے کا بدترین روگ ہے، اسلام اس مرض کا مکمل علاج اور اس معاشی خرابی کی جڑیں تک کھود کر پھینک دینا چاہتا ہے۔ لیکن کوئی بھی حکومت اپنے اسلامی ہونے کے تمام تر دعوؤں کے باوجود اس خرابی کا بالکلیہ ازالہ اس وقت تک نہیں کر سکتی جب تک وہ اپنی حدود و سلطنت میں وسائل آمدنی اور ذرائع پیداوار کو پہلے اسلامی بنیادوں پر استوار نہیں کر لیتی ہے۔ کیونکہ ہر ناجائز اور مفسد ذرائع سے کمانے اور حلال و حرام کی تمیز کے بغیر کمانے کی عادت اور اجازت اسلام کے معاشی نظام ہی کو نہیں بلکہ اس کے تمام اخلاقی اور تمدنی اور تہذیبی نظام کو تہہ و بالا کر دیتی ہے۔ اس لیے زکوٰۃ کا نظام قائم کرنے کے ساتھ ساتھ تمام قسم کے ناجائز ذرائع آمدنی جن میں سود بھی شامل ہے چاہے وہ نجی سطح میں ہو چاہے سرکاری سطح پر پابندی لگا دینی چاہیئے۔

معیارِ زندگی پر پابندی

یہ حقیقت ہے کہ ہر طرح سے کماتے اور حلال وحرام کی تمیز کے بغیر کمانے کی عادت آدمی کو فضول خرچ مسرف ریاکار، اور ناخدا ترس بنا دیتی ہے۔ پھر اس کی تہہ سے جو برائیاں اُبھرتی ہیں ان میں سب سے بڑی بُرائی معیارِ زندگی کی بلندی کی بُرائی ہے۔ ہر ناجائز کاروباری چاہے سرکاری افسر ہو، یا گوشت میں ہڈی چور کر بیچنے والا قصاب ہو یا کوئی اور، معیارِ زندگی بلند سے بلند تر ہوتا جاتا ہے اور جوں جوں رشوت، اسمگلنگ، ناجائز تجارت اور حرام خوری کے دوسرے ذرائع آدمی کو حاصل ہوتے جاتے ہیں، ویسے ویسے اس کی ذات اور اس کے اہل وعیال اور گھروں کے سامان عیش و نشاط میں فراوانی ہوتی جاتی ہے۔ پھر ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی پورا معاشرہ ریس کے گھوڑے کی طرح بازی جیت لینے کی مسابقت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ پھر یہ دوڑ آدمی کو بے ایمانی، چوری، ڈکیتی، قتل، رہزنی، دھوکہ دہی، جسم فروشی اور غداری جیسے جرائم کا عادی، مزید براں بخل، ظلم اور بے رحمی کی بدترین صفات کا حامل بنا دیتی ہے اس لیے اسلامی حکومت کو معیارِ زندگی پر پابندی لگانے کی طرف ترجیحی توجہ دینی چاہیئے۔

معیارِ زندگی کا تعلق

اسلامی حکومت کو اس بارے میں پہلے اپنے وسائل کا جائزہ

لینا چاہیئے۔ پھر عام ملکی حالات اور قومی رجحانات کا تجزیہ کرنے کے بعد تمام لوگوں کے لیے بنیادی معیار زندگی مقرر کر دینا چاہیئے، جس میں کم سے کم بنیادی ضرورت کی تشخیص کر دی گئی ہو اور زیادہ سے زیادہ کی حد مقرر کر دی گئی ہو۔

۱۔ مکان

مسکین کی اسلامی اصطلاح پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بہت سے شریف آدمی مسکین اور بہت سے سفید پوش مساکین کے زمرے میں شامل ہیں۔ اس لیے فقیر کے بعد ان مساکین کی طرف توجہ دی جائے اور ملک کے حالات اور وسائل اور قومی مزاج کا لحاظ کرتے ہوئے ایک عام معیار زندگی مقرر کر دیا جائے، جس سے ایک معینہ مدت تک کسی کو آگے بڑھنے نہیں دیا جائے وہ معیار بالکل مساوی اور اسکول کے بچوں کے یونیفارم کی طرح چاہے نہ ہو، تاہم اس کی عادلانہ درجہ بندی ضرور کر دی جائے۔ مثلاً پاکستان کے شہروں میں کم از کم ۱۲۰ گز اور زیادہ سے زیادہ ایک ہزار گز کے مکان کی حد مقرر کر دی جائے ذاتی رہائشی مکان کے علاوہ اس غیر پیداواری کاروبار میں سرمایہ کاری کی اجازت نہ دی جائے۔

۲۔ فرنیچر

گھروں میں استعمال ہونے والے ایسے تمام فرنیچروں پر پابندی

عائد ہونی چاہیئے جو قومی آمدنی کے اوسط سے اونچے، افادیت سے زیادہ اظہار امارت اور دنیا کو عیش گاہ میں تبدیل کرنے کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ اس میں تفاوت تو قائم رہ سکتا ہے لیکن سرمایہ دارانہ ذہنیت کا غیر فطری تفاوت نہیں ہونی چاہیئے۔ واضح رہے کہ ہمارے ملک میں آمدنی کا یہ جو فرق نظر آتا ہے، اور امیری غریبی کے درمیان آسمان اور زمین کی جو دوری نظر آتی ہے وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ امیرانہ زندگی گزارنے والے یہ لوگ بہت زیادہ عقل مند، بہت زیادہ بلاقابلیت بہت بڑے سائنس دان، موجد، ماہر اور اونچی دماغی صلاحیت رکھنے والے ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس ان میں ۹۹ فی صد لوگ بے ایمان رشوت خور، ملک کی زمین بیچنے والے، قوم کا خون پینے والے، اسمگلر ناجائز کاروبار کرنے والے چور، ڈاکو، ملت کے ساتھ غداری کر کے انعام میں زمینیں، جاگیریں حاصل کرنے والے قوم فروش اور ان کی اولادیں ہیں۔ یہی لوگ ملک کی تباہی کا باعث قومی مجرم ہیں۔ بلاشبہ، بلا ثبوت ان کی دولت چھینی تو نہیں جا سکتی، لیکن انسانیت کی حدود میں ان کو رکھا تو جا سکتا ہے۔

۲۔ کاریں

کسی بھی سرکاری افسر کو جس کی ماہانہ آمدنی تین ہزار روپے سے کم ہو، کار رکھنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔ اِلّا یہ کہ وہ اس کے

لیے کوئی باضابطہ وجہ جواز پیش کر دے۔ تمام غیر سرکاری ملازمین جو اپنی تنخواہوں کا ٹیکس ہر ماہ ادا نہ کرتے ہوں ان کو بھی کار رکھنے کی اجازت نہیں دی جانی چاہیئے۔

اسی قسم کی اور دوسری تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں جن سے معیار زندگی بلند کرنے کی دوڑ پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ تفصیلات طے کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

منصوبہ بندی کی ضرورت

اس مقصد کے لیے مناسب تو یہ ہے کہ ایک پانچ سالہ منصوبہ بنایا جائے کہ ملک میں آباد ہر شہری کے لیے خوراک، تعلیم، لباس، علاج اور مکان کا دفعتاً اگر نہیں تو تدریجاً ضرور بندوبست ہو جائے، اس مقصد کے لیے منصوبہ کی مدت دس سال بھی بڑھائی جا سکتی ہے۔

۱۔ خوراک

ہر جاندار کو روزی دینا اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے، اسلامی حکومت کا سربراہ چونکہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوتا ہے اس لیے اس کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ اس کی حدود سلطنت میں موجود تمام لوگوں کے لیے خوراک کی فراہمی کا وہ انتظام کرے، اس کی حدود سلطنت میں آ کر ایک شخص بھی بلکہ ایک کتا بھی بھوک کی وجہ سے مر جائے گا تو اس کو جواب دہی

اس کی کرنا پڑے گی۔

خوراک کا انتظام صحت اور ضرورت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ ناقص غذا، اور ضرورت سے کم غذا نہیں ہونی چاہیئے۔ ہاں خوراک کا معیار حکومت اپنے وسائل اور حالات کے مطابق مقرر کر سکتی ہے۔ تاہم اس کو اس کا خیال رکھنا ہوگا کہ لوگوں کی صحت پر اس خوراک سے برا اثر پڑنے نہ پائے۔ آٹے میں بھوسی ملانا، روٹی کے ٹکڑے ڈالنا قومی جرم قرار دیا جانا چاہیئے۔ گوشت میں ہڈی چورہ کر شامل کر دینا، مسالوں میں ملاوٹ، اور دودھ میں پانی ملانا، گھی میں کیلا پیس کر ڈالنا۔ ڈالڈہ شامل کر دینا تعزیری جرم قرار دیا جائے ——

غرضیکہ خوراک کے معاملے میں ہر شہری کی صحت کا پورا خیال رکھا جائے کیونکہ غیر صحت مند قوم اپنے ملک کی حفاظت نہیں کر سکتی۔

۲۔ تعلیم

ہر سطح پر تعلیم مفت ہونی چاہیئے۔ البتہ آہستہ آہستہ اس کا انتظام کیا جا سکتا۔ تعلیم مقصدی، کتابیں سستی اور ضروریات تعلیم کا حصول سہل ہونا چاہیئے۔

۳۔ لباس

موسم کے لحاظ سے ہر شخص کے پاس ضروری لباس ہونا چاہیئے اور

یہ معیار لنگوٹی اور اونچی دھوتی نہیں ہونا چاہیئے ـــــ بلکہ شریفانہ اور کلی طور پر ساتر ہونا چاہیئے ـــــ کراچی میں سردی کے موسم میں سویٹر کو سرمائی لباس کا معیار تو بنایا جا سکتا ہے لیکن پنجاب اور دوسرے علاقوں میں یہ کم سے کم معیار بھی نہیں بن سکتا۔ اس لیے علاقائی سردی اور موسم کے اعتبار سے معیار مقرر ہونا چاہیئے۔

مسلمانوں کے لباس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ساتر ہو، شریفانہ ہو اور بھلے مانس کا لباس ہو، لنگوٹی، ٹانگ کھلی ہندوانہ دھوتی اور بغیر جوتے کے پاؤں نہیں ہونا چاہیئے۔ ٹوپی بھی لباس میں شامل ہونا چاہیئے۔

۳۔ علاج

بیماری کی صورت میں مفت علاج کا بندوبست ہونا چاہیئے۔ اور حکومت کو اس بات کی ذمہ داری قبول کرنی چاہیئے۔ اگر کوئی شخص محض اس وجہ سے فقیری اور مسکینی میں مبتلا ہو گیا ہے کہ اس کا مناسب علاج نہ ہو سکنے کی وجہ سے وہ معذور ہو گیا ہے یا یہ کہ علاج کی سہولت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے اس کی بیماری طویل اور اس کی صحت خراب ہو گئی ہے اس لیے ایک طرف بیمار ہو جانے کی صورت میں ہر شہری کو علاج معالجہ کی پوری سہولت حاصل ہونی چاہیئے جو مفت ہو، دوسری طرف بیماری سے بچاؤ کی احتیاطی تدابیر

بھی حکومت ہی کو اختیار کرنی چاہیئے۔ ہونے کو تو یہ سب انتظامات آج کل بھی ہیں، لیکن یہ نقص سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہر وہ شخص جو بیمار ہو کر ایک بار بھی حکومت کے مفت علاج کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس کو تلخ تجربات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۵۔ گھر

ہر شخص کے پاس رہنے کے لیے مکان ہونا ضروری ہے۔ اور یہ معیار ایک شریف آدمی کی ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے دو سے چار کمروں تک کا ہو سکتا ہے۔

۶۔ نکاح

نکاح بھی انسان کی اہم ترین ضروریات ہے، اور اس کی اہمیت خوراک، لباس اور مکان سے کسی صورت میں کم نہیں ہے۔ اس لیے حکومت کو اس کی ذمہ داری لینی چاہیئے۔ یعنی یہ کہ اگر کوئی شخص شادی کا خواہش مند ہو مگر اس کے اخراجات پورے کرنے سے عاجز ہو تو اس کی بھی مدد کرنی چاہیئے۔

اسلام میں جنسی شاعر کا اخفاء نہیں ہے۔
یعنی اخفاء کا جنسی معنی میں اسلام میں کوئی وجود نہیں ہے۔ اسلام صنفین کے تعلق کو پوری دوستی میں رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ مستقیم فطرت ہے اور پسندیدہ ہے۔۔

● ـــــ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہاری صنفی تعلق پر اجر ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! ہم میں سے اگر کوئی اپنے خواہش نفس کی تسکین کرتا ہے تو اس پر بھی اجر ہے؟ آپ نے فرمایا کیا اگر تم میں سے کوئی اس خواہش کو حرام طریقہ سے پورا کرتا تو گناہ ہوتا؟ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں! فرمایا۔ اگر کوئی حلال طریقہ پر اپنی خواہش پوری کرتا ہے تو اس پر بھی اجر ہے: (مسلم)

اس مسئلہ کو علامہ یوسف القرضاوی نے اپنی کتاب "مشکلہ الفقر وکیف عالجھا الاسلام" میں مسئلہ پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نکاح

ہمارے نزدیک یہ بات قابل تعریف ہوگی اگر علمائے اسلام اپنی توجہ اس طرف مبذول کریں کہ خورد و نوش اور لباس وغیرہ ہی انسانی ضروریات نہیں ہیں بلکہ انسان کے اندر اور بھی بہت سے جذبات ہیں جو اس سے با اصرار اس بات کا مطالبہ کر رہے ہوتے ہیں کہ اُن کی تسکین کی جائے ان میں سے ایک جذبۂ جنس جبلت جنسی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے کوٹ کوٹ کر اپنایا ہے جس کی چوٹ انسان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ زمین کی آبادی اور نسل انسانی کی بقاء کے سلسلے میں منشائے الٰہی کو پورا کرے۔ انسان اس جبلت کو بالکل دبانے کے حق میں نہیں ہے بلکہ وہ شرعی حدود کے اندر اس کی تسکین کے لیے نکاح حکم دیتا ہے۔ اس نے تجرد کی زندگی اور خصّی ہو جانے اور جبلت جنسی کو دبانے کی ہر صورت سے منع کیا ہے اور جو شخص ازدواجی زندگی کی ذمہ داریوں کو پورا کر سکتا ہو اسے نکاح کی تاکید ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"تم میں سے جو نکاح کی قدرت رکھتا ہو اسے نکاح کرنا چاہیئے کیونکہ یہ نظر اور شہوت کی حفاظت کرتا ہے۔"

پس یہ بات باعثِ تعجب نہیں ہونی چاہیئے کہ علماء اس مصرف میں زکوٰۃ کا مال خرچ کرنے پر اکتفاء کریں کیونکہ اس کے لیے نظائر موجود ہیں۔

"حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے عاصی کی شادی کر دی اور اس کو ایک ماہ تک بیت المال سے خرچ دیتے رہے۔ خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز نے ایک شخص کو حکم دے رکھا تھا جو ان کی طرف سے ہر روز یہ منادی کرتا تھا کہ کہاں ہیں مساکین؟ کہاں ہیں قرضدار؟ کہاں ہیں نکاح والے جو نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ اور کہاں ہیں یتامیٰ؟ کہ میں ان کو غنی کر دوں"

اس سلسلہ میں بنیادی بات تو یہ ہے جسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ:

"ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت آکر عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ایک انصاری عورت سے نکاح کر لیا ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کتنے مہر پہ تو نے اس سے نکاح کیا ہے؟ اُس نے کہا چار اوقیہ پر۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا چار اوقیہ پہ؟ تم سمجھتے ہو کہ اس پہاڑ کے پہلو سے چاندی کاٹ لاؤ گے۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے کہ تمھیں دے سکیں مگر ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ہم تمھیں کسی مہم پہ بھیجیں اور تاکہ وہاں سے

تمھیں کچھ ہاتھ آجائے۔"

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ شادی کے لیے لوگوں کو کچھ دینا اس زمانے میں مشہور و معروف تھا۔ اسی لیے تو آپ نے اس شخص سے یہ نہیں فرمایا کہ اس مقصد کے لیے تم کسی مدد کے مستحق نہیں ہو بلکہ یہ فرمایا کہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے جو تمھیں دے سکیں اور اس کے ساتھ اسے دوسرا ذریعہ مہیّا کرنے کی کوشش کی یعنی آپ نے ان کو ایک جنگ میں بھیجا جس میں وہ کامیاب ہو کر لوٹے۔

اُوپر کی چند مثالوں اور دیگر حقائق پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اسلام پورے وسائل سے کام لے کر اس بات کی روک تھام کرتا ہے کہ کوئی شخص اپنی جنسی تسکین کا جائز ذریعہ حاصل کرنے سے محروم نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نکاح میں عجلت کی دعوت دیتا ہے اور ایسی معاشی تربیت وضع کرتا ہے جس سے نکاح میں سہولت ہو۔ اور جن میں شادی کی خواہش رکھنے والوں کے لیے بیت المال سے امداد کرنا بھی شامل ہے اس لیے ضرورت ہے کہ ضرورت نکاح کو بھی مصارف زکوٰۃ میں شامل کر دیا جائے۔

طالب علموں کے لیے کتابیں

اس طرح طلبا اور اہل علم کے لیے علمی کتابیں بھی ضروریات زندگی میں سے ہیں بلکہ عام آدمی بھی اگر علم حاصل کرنا چاہتا ہو تو اُسے زکوٰۃ

کی مد سے کتابیں مہیا کی جانی چاہیئے۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو عقل و دانش کو مکرم و معظم سمجھتا ہے، علم حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے اور علماء کے مقام کو رفعت عطا کرتا ہے، علم کو ایمان کی کلید اور عمل کا رہنما کہتا ہے اور علم کے بغیر ایمان اور عبادت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ حاجتمندوں کے لیے جائز ہے کہ وہ زکوٰۃ کے مال سے ایسی علمی کتابیں بھی خرید لے جو دین و دنیا کی بہتری کے لیے اس کے لیے ضروری ہوں۔

سونے چاندی کے برتن

اسلام کا مزاج ستھراپن، پاکی، جمالی حسن اور نظافت ہے آپ نے اسی مزاج کی وجہ سے اس نے کئی مسلمانوں کو اپنے گھر کو رنگ و روغن نقش و نگار اور جائز قسم کی زینت سے آراستہ کرنے سے منع نہیں کیا ہے۔ اور اس مسلمان کے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ اپنے گھر، کپڑے اور جوتے وغیرہ کے معاملے میں جمالی کو پسند کرے۔ البتہ علاوا اسلام کو کسی چیز میں پسند نہیں ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بات کو بھی پسندیدہ قرار نہیں دیا کہ ایک مسلمان کا گھر تعیّش اور اسراف کا مظہر ہو۔

ایک طرف آپ نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں کہ آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اور جوتے اچھے

ہوں (تو کیا یہ بھی کبر ہے جو) حدیث قدسی میں جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَّ یُحِبُّ الْجَمَالَ۔ "اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے" یعنی اللہ پاک ہے اور پاکی کو پسند فرماتا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ:

● ــــــ ایک خوبصورت شخص نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، میں جمال کو پسند کرتا ہوں اور مجھے جو جمال عطا ہوا ہے اس کا مشاہدہ آپ فرما ہی رہے تھے میں تو بھی پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص جوتی کے تسمے کے معاملے میں بھی مجھ پر فوقیت لے جائے، تو کیا کیا یہ بھی کبر ہے یا رسول اللہ؟

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، بلکہ کبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکراؤ اور لوگوں کو حقیر خیال کرنے لگو۔"

یہ ہے آرائش و جمال اور پاک و نظافت کے بارے میں اسلام کا نظریہ، ساتھ ہی وہ اس غلو کو بھی ناپسند کرتا ہے کہ کسی مسلمان کے گھر میں سونے چاندی کے برتن یا خالص ریشم کا بستر ہو۔ حدیث شریف میں ہے:

"جو شخص سونے اور چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا

ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے"۔

مسلم میں ایک اور حدیث ہے جس کے راوی حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے اور پینے سے منع فرمایا ہے؛ نیز حریر وہ دیبا کے کپڑے پہننے اور اُن پر بیٹھنے کی بھی ممانعت کی ہے۔ (بخاری)

اور جب یہ چیزیں حرام ہیں تو ان کو تحفہ میں اور سجاوٹ کے طور پر استعمال کرنا بھی حرام ہے۔ سونے چاندی کے برتن اور ریشم کے بستر وغیرہ کی یہ حرمت مرد اور عورت دونوں کے لیے ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے مزاج کے مطابق ان چیزوں کو حرام ہونا ہی چاہیئے تھا۔ کیونکہ اس میں نہ صرف یہ کہ اسراف ہے۔ تکبر کی علامتیں پائی جاتی ہیں بلکہ غریبوں کی دل شکنی کا بھی بڑا احتمال ہے۔ ان وجوہ کے علاوہ ایک بڑی وجہ اقتصادی پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ سونے چاندی کی حیثیت نقدی کے لیے بین الاقوامی محفوظ سرمایہ کی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اموال کی قیمت کے لیے معیار بنایا ہے اس میں ایک قسم کی حاکمانہ قوت موجود ہے جو قیمتوں میں صحیح توازن پیدا کرتی ہے اور زرِ مبادلہ کا کام دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح اس کے استعمال کی رہنمائی فرما کر انسان کو اپنی نعمت سے نوازا ہے تاکہ وہ اس کو گردش میں رکھیں۔ نقد خزانہ کی شکل میں یا برتن اور ساز و سامان کی شکل میں

بے کار بنا کر نہ رکھیں۔

مسکین میں شمار ہوگا؟

اب جو شخص اتنی استعداد رکھتا ہو کہ مذکورہ بالا معیار زندگی کے مطابق اپنی غذا اور لباس میں تو خود کفیل ہو جائے لیکن صحت و معالجہ کی طاقت نہ رکھتا ہو یا اس کے پاس رہنے کے لیے کوئی گھر نہ ہو یا وہ تعلیمی اخراجات کا بار اُٹھانے کے قابل نہ ہو تو ان میں سے ہر ایک مسکین ہوگا اور صدقات (زکوٰۃ) کے مد سے ایسے لوگوں کی محرومی و مسکنت۔ یعنی بنیادی معیارِ زندگی تک پہنچنے میں کوتاہی ختم کردی جائے گی۔

اِصلاح فکر کی ضرورت

فقر و مسکنت اور زکوٰۃ و صدقات کے سلسلے میں تمام تر تفصیلات سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آچکی ہے کہ زکوٰۃ و صدقات کا اسلامی تصور ہمارے مفہوم سے بالکل جداگانہ ہے، ہم صدیوں سے صدقات و زکوٰۃ کا ذلت آمیز تصور رکھتے چلے آرہے ہیں، اور مسکینی کو نہایت ہی حقیر، ذلیل شے سمجھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ صدقہ زکوٰۃ مالی فریضہ ہے جس کا ادا کرنا ہر صاحبِ نصاب پر فرض ہے۔ اس کے ذریعہ مسلمان حکمران اسلامی حکومت کے زیر سایہ رہنے والے ہر فرد کے بارے میں اپنی مسئولیت اور ذمہ داری پوری کرنے کے قابل ہوتا ہے۔

- مسلم معاشرے کو اور اس معاشرے میں رہنے والے افراد کو یہ احساس ہوتا ہے کہ کسی بھی مجبوری کی حالت میں اگر وہ خدانخواستہ مبتلا ہو جائے تو بے سہارا نہیں رہے گا۔
- مسلمان معاشرے کے افراد کو اپنے شایان شان زندگی گزارنے کے لیے اپنے اس حق کا احساس ہوتا ہے جو ایک مسلمان حکومت پر اس کے بارے میں عائد ہوتا ہے۔
- اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے زکوٰۃ صدقات معاشرے میں معاشی تحفظ کی عمارت کا بنیادی ستون ہے۔
- اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ زکوٰۃ ایک مستقل اور باقاعدہ اعانت ہے۔ جو اگر کسی مستحق کو نہ پہنچے تو اس کا یہ حق ہے کہ وہ حاکم وقت کے پاس شکایت کر کے اپنا حق طلب کرے۔

اسی صورت سے فقر و مسکنت بھی کوئی ایسی بڑی شے نہیں ہے کہ اس سے آدمی گھن کھائے یا یہ کہ جو لوگ اس میں مبتلا ہیں ان کو ذلیل اور بے سہارا سمجھا جائے، بلکہ مسکین کا جو اسلامی تصور ہے اس سے تو بہت سے سفید پوش زمرہ مساکین میں آئیں گے۔ بڑے بڑے تاجر اور صنعت کار کسی وقت مستحق زکوٰۃ ہو سکتے ہیں اور کتنے خوشحال

لوگ مسافرت کی کسی مصیبت میں مبتلا ہو کر زکوٰۃ کے فنڈ سے اعانت حاصل کر کے سفر میں پیش آجانے والی مصیبت سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ اور مسکینی کی حالت میں تو بہت سے لوگ مبتلا ہو سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے ہم مسکنت اور صدقات و زکوٰۃ کے بارے میں جو تصور رکھتے ہیں ان میں تبدیلی ہونی چاہیئے۔ کیونکہ نہ خود زکوٰۃ کوئی ذلیل چیز ہے اور نہ مستحق زکوٰۃ کوئی حقیر اور بے وقار آدمی ہے۔

یہ بات بھی غلط فہمی پر مبنی ہے کہ زکوٰۃ بے کاری کی ترغیب دینے والی اور کسل مند اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنے والی ہے۔ زکوٰۃ میں کوئی بات نہیں ہے۔ زکوٰۃ تنومند صحیح الاعضاء اور کام کی قدرت رکھنے والے کو جو محض کاہلی کی وجہ سے کام نہیں کرتا ہے۔ نہیں ملے گی۔ اسلام نے تو ہر شخص پر فرض کیا ہے کہ وہ کام کرے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ کسی شخص نے اپنے ہاتھ سے کما کر کھانے سے بہتر کبھی کوئی کھانا نہیں کھایا۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ بیشک تم میں سے کسی کا اپنی رسی لے کر جنگل جاتا اور پیٹھ پر لکڑی لادتا اور اس کو بیچ کر کھانا اس سے بہتر ہے کہ کسی آدمی کے پاس جائے جس کو اللہ نے اپنے فضل سے مال دیا ہو پھر اس سے سوال کرے وہ اس کو دے یا نہ دے۔

۳۔ عاملین

مستحقین زکوٰۃ میں تیسرا نمبر اُن لوگوں کا ہے جو زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور ہیں۔ ایسے تمام عاملین جن کو صدقات وصول کرنے اور وصول شدہ مال کی حفاظت کرنے اور ان کا حساب کتاب رکھنے اور انھیں تقسیم کرنے کے لیے مقرر کیا جائے۔ ان کی تنخواہ صدقات کے مد سے دی جائے گی۔ خواہ فقیر مسکین نہ ہوں۔ ان کی تنخواہوں کا اسکیل اسلامی حکومت مقرر کرے گی اور کام کی نوعیت کے اعتبار سے ان کو تنخواہیں ملیں گی۔ تنخواہوں کا اسکیل مقرر کرتے وقت حکومت کو اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا ہوگا کہ تنخواہیں حالات اور ضروریات کے مطابق ہوں، جو ان کی حاجتوں کو پورا کر سکے اور ان کے اہل وعیال کی اچھی طرح کفالت کر سکے۔ البتہ یہ تنخواہیں اتنی زیادہ نہ ہوں کہ صدقات کی آمدنی کا بیشتر حصّہ انھی پر صرف ہو جائے۔

اعزازی عامل

زکوٰۃ و صدقات کی وصولی کا کام اعزازی طور پر بلا معاوضہ بھی کیا جا سکتا ہے، اور اگر کوئی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ لیکن یہ

بات مصلحت کے خلاف ہے، اور بعد میں اس سے پیچیدگیاں اور الجھنیں بھی پیدا ہو سکتی ہیں اس لیے اعزازی طور پر یہ کام نہیں ہونا چاہیے۔

فقیر و مسکین عامل

بے کاری اور بے روزگاری دور کرنے کے لیے فقراء اور مساکین کو بھی اس کام پر لگایا جا سکتا ہے۔ اس سے دوہرا فائدہ ہو سکتا ہے۔ ایک فائدہ تو یہ ہو گا کہ معاشرے میں موجود باصلاحیت غیر معذور فقراء اور مساکین باروزگار ہو جائیں گے اور فقراء و مساکین کی تعداد کم ہو جائے گی۔ لیکن اس کے لیے ضروری شرط یہ ہے کہ یہ عاملین زکوٰۃ اسلام کے معیار مطلوب کے مطابق ہوں۔ عاملین زکوٰۃ کے لیے اسلام نے جو معیار مقرر کیا ہے کہ وہ امانت و دیانت رحمدلی اور جذبہ خیر خواہی ہے۔ یعنی اسلامی حکومت عاملین کی تقرری کے وقت دیگر صلاحیتوں کے ساتھ ان کے اندر امانت داری، دیانت داری، رحمدلی اور جذبۂ خیر خواہی کا خاص خیال رکھے گی، جن لوگوں کے اندر یہ صلاحیتیں نہ ہوں گی وہ اس کام پر مقرر نہیں کیے جائیں گے۔ چاہے دوسری صلاحیتیں ان کے اندر کتنا ہی زیادہ ہوں۔

غنی عامل

عاملین زکوٰۃ، غنی اور غیر حاجت مند لوگوں میں سے

بھی مقرر کیے جا سکتے ہیں۔ ایسے لوگ جو خوش حال ہیں ان کے لیے اس مال سے تنخواہیں لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے وہ اس رقم کو اپنے اُوپر اور اپنے اہل وعیال پر شرح صدر کے ساتھ صرف کر سکتے ہیں۔ اور ان سے صدقات و عطیات دے سکتے ہیں۔

● آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ زکوٰۃ کا لینا غنی کے لیے جائز نہیں مگر پانچ قسم کے لوگ غنی ہونے کے باوجود اسے لے سکتے ہیں، ایک وہ جو اس پہ مامور ہو، دوسرا وہ جس نے اسے اپنے روپے یا مال سے خریدے ہوں، تیسرا وہ جو مقروض ہو، چوتھا وہ جو اللہ کی راہ میں جنگ کرنے والا ہو۔ اور پانچواں وہ جس کو کوئی فقیر زکوٰۃ لے کر ہدیہ کر دے۔

بیت المال (خزانہ)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں جو دنیا کا مسعود ترین دور تھا زکوٰۃ کی تقسیم کا انتظام خود بہ نفس نفیس فرماتے تھے۔ تمام مسلمانوں کی زکوٰۃ کسی خاص شخص کے ذریعہ تحصیل فرما کر اپنے دست خاص سے مستحقین پر صرف کیا کرتے تھے۔ اور جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن

کا قاضی بنا کر بھیجا تھا تو ان کو بھی یہی حکم دیا تھا کہ مسلمانوں کی زکوٰۃ تم خود وصول کر کے فقراء پر تقسیم کرنا۔ آپ کے بعد خلفائے راشدین کا اسی پر عمل رہا۔ اس کے بعد ایک عرصہ تک مسلم سلاطین اسی طریقے پر عامل رہے۔ خلفائے بنو عباس تک اسی نظام کے آثار ملتے ہیں۔ خلفائے بنو عباس کے دور تک زکوٰۃ و صدقات کے علیحدہ خزانے یعنی بیت المال تھے۔ ایک بیت المال وہ تھا جس میں خمس، غنیمت کے مالوں کا پانچوں حصہ اور دفینوں وغیرہ کا پانچواں حصہ رکھا جاتا تھا۔ ایک بیت المال (خزانہ) خراج اور جزیہ کا ہوتا تھا، اور ایک بیت المال زکوٰۃ صدقات اور عشر کا ہوا کرتا تھا۔

ساعی، قاسم، حاشر

حکومت جن لوگوں کو زکوٰۃ کی تحصیل کے لیے مقرر کرتی تھی اور وہ مسلمانوں کے گھر جا کر زکوٰۃ وصول کر کے لاتے تھے ان کو فقہی اصطلاح میں "ساعی" کہا جاتا ہے، ان کی تنخواہیں زکوٰۃ کے مال سے دی جاتی تھیں۔ پھر جمع شدہ مال زکوٰۃ کو جن لوگوں کے ذریعہ تقسیم کرایا جاتا تھا۔ ان کو قاسم کہا جاتا ہے۔ اور جو لوگ زکوٰۃ کے مستحقین کی فہرستیں تیار کرنے اور ان کے گھر و محلہ کا پتہ رکھتے ہیں اور نشان دہی کرتے ہیں اور یہ کہ ان کو جمع کر کے لاتے ہیں ان کو حاشر کہا جاتا ہے ان سب کو ان کی خدمات کا معاوضہ زکوٰۃ فنڈ سے ادا کیا جائے گا

چاہے وہ صاحب استطاعت ہوں چاہے نہ ہوں۔ رضاکارانہ خدمت نہیں لی جائے گی۔ ان کے صرف مرد ہونے کی قید نہیں۔ عورتوں سے بھی یہ کام لیا جا سکتا ہے۔

محصلین زکوٰۃ کے اوصاف

زکوٰۃ کی وصولی کا کام بڑی ذمہ داری کا ہے، معمولی سی اُونچ نیچ ہو جانے سے آدمی گنہ گار ہو جاتا ہے۔ یہ کام صرف ملازمت کر لینے یا بے کاری اور بے روزگاری دُور کرنے اور اہل وعیال کی کفالت ہی کا نہیں ہے، بلکہ ثواب نیکی اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا بھی ہے اس لیے اس کام میں انہی لوگوں کو جانا چاہیئے اور خود حکومت کو بھی ایسے ہی لوگوں کو منتخب کرنا چاہیئے، جو اس کام میں حصول آمدنی سے زیادہ رضائے الٰہی کا خیال رکھتے ہوں۔

● ——— حضرت رافع بن خدیج روایت کرتے ہیں کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا حق کے ساتھ زکوٰۃ وصول کرنے والا جب تک اپنے فرائض ادا کر کے واپس نہ ہو جائے راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کے برابر ہے۔

● ——— حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا زکوٰۃ وصول کرنے

میں زیادتی اور ظلم کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے زکوٰۃ روکنے والے۔

● ایک موقعہ پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محصلین زکوٰۃ کو ہدایت فرمائی کہ دیکھو لوگوں کے عمدہ اور پسندیدہ مال کو ہاتھ نہ لگانا اور خبردار مظلوم کی پکار سے بچتے رہنا۔ اس لیے کہ اس کی پکار کے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے میں کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

زکوٰۃ چونکہ حکومت کی قوت کے ساتھ وصول کی جاتی ہے اور اس میں مال اور زر و نقد کے لینے دینے کا ہوتا ہے اس لیے بڑے احتیاط سے کام کیا جائے۔

● قاضی امام ابو یوسف نے اس مسئلہ کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے خلیفہ ہارون الرشید کو ایک تفصیلی مشورہ دیا تھا جو کتاب الخراج کا ایک اہم حصہ ہے۔

انھوں نے امیر المومنین کو لکھا تھا:

امیر المومنین آپ ایسے امانت دار معتمد علیہ پاکباز اور خیر خواہ فرد کے تقرر کا حکم صادر فرمایئے جس کے اوپر آپ اپنے اور اپنی رعایا کے سلسلے میں پورا اطمینان رکھتے ہوں۔ پھر اس کو تمام ممالک کے صدقات کی تحصیل کا نگران بنا دیجئے۔ آپ

اس ذمہ دار کو حکم دیجیے کہ وہ ہر علاقہ میں ایسے لوگوں کو
تعینات کرے جن کے بارے میں اسے اطمینان ہو۔
اسے ان لوگوں کے طور طریقوں فقہی مسلک اور امانتداری
کے بارے میں مناسب تفتیش کر لینا چاہیے۔ یہی
لوگ سارے علاقوں کی صدقات جمع کر کے اس
ذمہ دار کے پاس لائیں۔ جب سارے صدقات
جمع ہو جائیں تو آپ ان کے مصارف کے
بارے میں اسے وہ حکم دیں جو اللہ جل شانہ نے
اس باب میں دیا ہے۔

● محلصین زکوٰۃ کے لیے کسی سے تحفہ یا ہدیہ لینا
جائز نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے ایک موقعہ پر فرمایا۔ قسم اس ذات کی جس
کے ہاتھ میں میری جان ہے جو فرد بھی اس مال
زکوٰۃ میں سے کوئی چیز لے گا قیامت کے
دن وہ اسے اپنی گردن پر لادے ہوئے آئے
گا۔ بلبلاتا ہوا اونٹ، بھیں بھیں کرتی گائے
ممیاتی ہوئی بکری اتنا کہہ کر آپ نے اپنے دونوں
ہاتھ اوپر اٹھائے یہاں تک کہ آپ کے بغل کی
سپیدی نظر آنے لگی۔ پھر آپ نے فرمایا یا الٰہا

کیا میں نے حق بات پہنچادی۔

● —— عاملین صدقات زکوٰۃ کی حیثیت مالیات کے سرکاری افسروں اور ملازمین کی سی ہوگی۔ انھیں اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے میں نہایت پاکیزہ کردار کا مظاہرہ کرنا ہوگا اور اس نظام کو کامیاب بنانے کی پوری کوشش کرنی ہوگی تاکہ یہ نظام اپنے متوقع نتائج نکال کر نہ صرف ملک و ملت کو فقرو احتیاج سے پاک صاف کردے بلکہ تمام دنیا کے سامنے جو اس وقت اقتصادی مشکلات کے حل کی سرتوڑ کوشش کررہی ہے، اس عملی نمونہ کو دیکھ کر اس نظام سے رہنمائی حاصل کرے۔

۴۔ مولفۃ القلوب

زکوٰۃ کے مال کا چوتھا اہم مصرف تالیف قلب ہے یعنی اس کے شرعی حقدار وہ لوگ ہیں جن کی تالیف قلب مقصود ہو۔ تالیف قلب کے معنی دل موہنا اس حکم سے مقصود یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کی مخالفت میں سرگرم ہوں اور مال دے کر ان کے جوش عداوت کو ٹھنڈا کیا جا

سکتا ہو، یا جو لوگ کفار کے کیمپ میں ایسے ہوں کہ اگر مال سے انھیں توڑا جائے تو ٹوٹ کر مسلمانوں کے مددگار بن سکتے ہیں، یا جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہوں اور ان کی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے اندیشہ ہو کہ اگر مال سے ان کی مدد و اعانت نہ کی گئی تو پھر کفر کی طرف پلٹ جائیں گے۔ ایسے لوگوں کو مستقل وظائف یا وقتی عطیے دے کر اسلام کا حامی و مددگار یا مطیع و فرماں بردار یا کم از کم بے ضرر دشمن بنا لیا جائے اس مد پر غنائم اور دوسرے ذرائع آمدنی سے بھی مال خرچ کیا جا سکتا ہے اور اگر ضرورت ہو تو زکوٰۃ کی مد سے بھی۔ اور ایسے لوگوں کے لیے شرط نہیں ہے کہ وہ فقیر و مسکین یا مسافر ہوں۔ تب ہی ان کی مدد زکوٰۃ سے کی جا سکتی ہے بلکہ وہ مال دار اور رئیس ہونے پر بھی زکوٰۃ دیئے جانے کے مستحق ہیں۔

فقہاء کے اختلافات

یہ امر متفق علیہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہت سے لوگوں کو تالیف قلب کے لیے وظیفے اور عطیے دیئے جاتے تھے لیکن اس امر میں اختلاف ہو گیا ہے کہ آیا آپ کے بعد یہ مد باقی رہی یا نہیں؟

امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کی رائے یہ ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے سے یہ مد ساقط

ہو گئی ہے اور اب مؤلفۃ القلوب کو کچھ دینا جائز نہیں۔
امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ فاسق مسلمانوں کو تالیف قلب کے لیے زکوٰۃ کی مد سے دیا جا سکتا ہے مگر کفار کو نہیں، اور بعض فقہاء کے نزدیک مؤلفۃ القلوب کا حصّہ اب بھی باقی ہے اگر اس کی ضرورت ہو۔
حنفیہ کا استدلال اس واقعہ سے ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد عینیہ بن حص اور اقرع بن حابس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور انھوں نے ایک زمین آپ سے طلب کی، آپ نے ان کو عطیہ کا فرمان لکھ دیا۔ انھوں نے چاہا کہ مزید پختگی کے لیے دوسرے اعیان صحابہ بھی اس فرمان مگر جب یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گواہی لینے گئے تو انھوں نے فرمان پڑھ کر اسے ان کی آنکھوں کے سامنے چاک کر دیا اور ان سے کہا کہ بیشک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر گواہیاں ثبت کردیں۔ چنانچہ گواہیاں بھی ہو گئیں۔ تمھیں تالیفِ قلب کے لیے تھیں دیا کرتے تھے، مگر وہ اسلام کی کمزوریوں کا زمانہ تھا۔ اب اللہ نے اسلام کو تم جیسے لوگوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اس پر وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس شکایت لے کر آئے اور آپ کو طعنہ بھی دیا کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟ لیکن نہ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے اس پر کوئی نوٹس لیا اور نہ دوسرے صحابہ کرام

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہی میں سے کسی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس رائے سے اختلاف کیا۔

اس سے حنفیہ یہ دلیل لاتے ہیں کہ جب مسلمان کثیر التعداد ہو گئے اور ان کو یہ طاقت حاصل ہو گئی کہ اپنے بل بوتے پر کھڑے ہو سکیں تو وہ سبب باقی نہیں رہا۔ جس کی وجہ سے ابتداءً مولفۃ القلوب کا حصہ رکھا گیا تھا اس لیے باجماع صحابہ یہ حصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ تالیف قلب کے لیے کفار کو مال زکوٰۃ دینا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت نہیں ہے۔ جتنے واقعات حدیث میں ہم کو ملتے ہیں ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفار کو تالیف قلب کے لیے جو کچھ دیا وہ مال غنیمت سے دیا نہ مال زکوٰۃ سے۔

مولانا مودودیؒ کی رائے

موجودہ صدی کے مفکر اور معلم اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ تفہیم القرآن جلد دوم حاشیہ نمبر ۶۲ میں فرماتے ہیں کہ:

"ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ مولفۃ القلوب کا حصہ قیامت تک کے لیے ساقط ہو جانے کی کوئی دلیل نہیں

ہے۔ بلاشبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کچھ بھی کیا وہ بالکل صحیح تھا۔ اگر اسلامی حکومت تالیف قلب کے لیے مال صرف کرنے کی ضرورت نہ سمجھتی ہو تو کسی نے اس پر فرض نہیں کیا ہے کہ ضرور ہی اس مد میں کچھ نہ کچھ صرف کرے، لیکن اگر کسی وقت اس کی ضرورت محسوس ہو تو اللہ نے اس کے لیے جو گنجائش رکھی ہے اسے باقی رہنا چاہیئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کرام کا اجماع جس جس امر پر ہوا تھا وہ صرف یہ تھا کہ ان کے زمانہ میں جو حالات تھے ان میں تالیفِ قلب کے لیے کسی کو کچھ دینے کی وہ حضرات ضرورت محسوس نہ کرتے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ صحابہ کے اجماع نے اس مد کو قیامت تک کے لیے ساقط کر دیا ہے، جو قرآن میں بعض اہم مصالح دینی کے لیے رکھی گئی تھی۔

رہی امام شافعی کی رائے تو وہ اس حد تک تو صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جب حکومت کے پاس دوسری مدات آمدنی سے کافی مال موجود ہو تو اُسے تالیف قلب کی مد پر زکوٰۃ کا مال صرف نہ کرنا چاہیئے، لیکن جب زکوٰۃ کے مال سے اس کام میں مدد لینے کی ضرورت پیش آجائے تو پھر یہ تفریق کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ فاسقوں پر انسے صرف

کیا جائے اور کافروں پر نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ قرآن میں مؤلفۃ القلوب کا جو حصّہ رکھا گیا ہے وہ ان کے دعوائے ایمان کی بناء پر نہیں ہے بلکہ اس بناء پر ہے کہ اسلام کو اپنے مصالح کے لیے ان کی تالیف قلب مطلوب ہے اور وہ اس قسم کے لوگ ہیں کہ ان کی تالیف قلب صرف مال ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے یہ حاجت اور یہ وصف جہاں بھی متحقق ہو وہاں امام مسلمین بشرط ضرورت زکوٰۃ کا مال صرف کرنے کا از روئے قانون مجاز ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اگر اس مد سے کفار کو کچھ نہیں دیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے پاس دوسرے مدات کا مال موجود تھا۔ ورنہ اگر آپ کے نزدیک کفار پر اس مد کا مال صرف کرنا جائز نہ ہوتا تو آپ اس کی تشریح فرماتے۔"

کارآمد مد

یہ مد وسیع اخراجات کا حامل ہے۔ اس کارآمد مد سے آج کل بھی بہت سے مفید کام انجام دیئے جا سکتے ہیں مثلاً:

- جو باصلاحیت مسلمان اپنی کمزوریوں کی وجہ سے طاغوتی نظام میں شامل ہو گئے ہیں ان کو اسلامی نظام کی طرف مائل کرنے کے لیے ان پر اس مد سے رقم خرچ کی جا سکتی ہے تاکہ مسلمانوں کو ان

تائید حاصل ہو جائے اور اسلام کی سربلندی ہو۔

- —— اسلام کی طرف مائل غیر مسلموں کو مالی سہارا بھی دیا جا سکتا ہے۔
- —— عالمی رائے عامہ کو اسلام کے حق میں ہموار کرنے کے لیے بھی اس مد سے کام لیا جا سکتا ہے۔
- —— غیر مسلموں کو اسلام سے مانوس کرنے میں مختلف پُر از حکمت ذرائع سے تبلیغ کرنے کے لیے یہی مد کام آئے گی۔
- —— تمام ایسی طاقتیں جن سے اسلام کو نفع یا ضرر پہنچنے کا امکان ہو، تو ایسی طاقتوں سے نفع حاصل اور ضرر سے بچ رہنے کے لیے بھی اس مد سے اخراجات چلائے جا سکتے ہیں۔

۵۔ والرقاب

مستحقین زکوٰۃ میں یہ پانچواں مستحق گروہ ہے، یا مد زکوٰۃ میں یہ پانچواں اخراجاتی مد ہے —— اس مد کو غلاموں کی آزادی میں صرف کیا جائے گا۔ "رقاب" سے مراد غلام ہیں جن کی گردنیں دوسروں کے ہاتھ میں

ہوں۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جس غلام نے اپنے مالک سے معاہدہ کیا ہو کہ اگر میں اتنی رقم تمہیں ادا کردوں تو تم مجھے آزاد کردو، اسے آزادی کی قیمت ادا کرنے میں مدد دی جائے۔ دوسرے یہ کہ خود زکوٰۃ کی مد سے غلام خرید کر آزاد کیے جائیں۔ ان میں پہلی صورت پر تو سب فقہاء متفق ہیں، لیکن دوسری صورت کو حضرت علی، سعید بن جبیر، لیث، ثوری، ابراہیم نخعی، شعبی، محمد بن سیرین، حنفیہ اور شافعیہ ناجائز کہتے ہیں، اور ابن عباس، حسن بصری، امام مالک، امام احمد اور ابو ثور جائز قرار دیتے ہیں۔

قابلِ قدر رائے

کتاب الاموال جلد دوم کے مقدمہ میں جناب عبدالرحمٰن طاہر سورتی نے اس موضوع پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "اس مد سے۔ محکوم، نظر بند، قیدی جو اپنی مرضی کے مالک نہیں۔ اندرونِ ملک سے یا بیرونِ ملک جہاں بھی کسی قسم کی غلامی کی لعنت یا طاقتور ظالم کا کمزور مظلوم پر ایسا دباؤ ہے جس سے وہ اپنی آزادی میں خلل یا اذیت پا رہا ہے اس کا ازالہ اور استعمار کی غلامی سے آزاد کرانا ہے اسلامی فریضہ ہے۔ جہاں جہاں اسلام دشمن طاقتوں نے مسلمانوں کو دبا رکھا ہو اس مد سے ان کی گلوخلاصی کرائی جائے گی۔ ہمارے زمانے میں کشمیر فلسطین اور قبرص کے مسلمانوں کو آزاد کرانے کے لیے بھی یہی

رقم خرچ ہو گی۔ جب تک مسلمان غلامی سے آزاد ہوں اس مد سے غیر مسلموں پر خرچ نہیں کیا جائے گا۔ اس مد میں پہلے مسلمانوں کا حق ہے اور یہ حق اولیت ہر موقع پر ملحوظ رہے گا"۔

۶۔ الغارمین

یعنی ایسے قرض دار جو اگر اپنے مال سے اپنا پورا قرض چکا دیں تو ان کے پاس قدر نصاب سے کم مال بچ سکتا ہو، وہ خواہ کمانے والے ہوں خواہ بے روزگار اور خواہ عرف عام میں فقیر سمجھے جاتے ہوں یا غنی دونوں صورتوں میں ان کی اعانت زکوٰۃ کی مد سے کی جا سکتی ہے۔

● —— غارم یعنی مقروض کی فہرست میں وہ لوگ بھی آسکتے ہیں جو کسی بڑی ضمانت لینے، یا ایک دم کاروبار میں گھاٹا ہو جائے یا کسی غیر متوقع ذمہ داری کے آن پڑنے سے مالی مشکلات میں مبتلا ہو کر زیر بار ہو جائیں۔ اس قسم کی زیر باری خواہ ذاتی کاموں کے انجام دینے میں ہوئی ہو یا قومی و اجتماعی مفاد کی خاطر۔ ایسے لوگ چونکہ سرکاری فہرست میں نہیں ہو سکتے ہیں اس لیے ان کو اپنے حالات

سے متعلق پہلے محکمہ صدقات کو اطلاع دینی ہوگی، پھر وہاں سے جب چھان پھٹک ہو جائے گی اور ان کا استحقاق ثابت ہو جائے گا۔ تو پھر اس مد سے ان کی اعانت ہو سکتی ہے۔ بڑے بڑے سرمایہ دار اور تاجر جو نفع اور خسارے سے دوچار ہوتے ہی رہتے ہیں وہ اس ذیل میں نہیں آ سکتے۔ ہیں۔ اور ایسے فضول خرچ، بد اعمال مقروض بھی جنھوں نے فضول خرچیوں اور بد اعمالیوں میں اپنا مال اڑا کر اپنے آپ کو قرض داریوں میں مبتلا کیا ہو وہ بھی اس فہرست میں نہ آئیں گے تا آنکہ محکمہ صدقات کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ انھوں نے اپنی بد اعمالیوں اور فضول خرچیوں سے سچی توبہ کر لی ہے۔

۷۔ سبیل اللہ

سبیل اللہ، راہ خدا کا لفظ عام ہے۔ تمام وہ نیکی کے کام جن میں اللہ کی رضا ہو اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہیں، اسی وجہ سے بعض

لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس حکم کی رو سے زکوٰۃ کا مال ہر قسم کے نیک کاموں میں صرف کیا جا سکتا ہے۔ ان کے نزدیک ہر وہ ذریعہ جس سے اللہ کا بول بالا ہو۔ اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات عام ہوں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے پسندیدہ کام رواج پائیں، مسلمانوں کے اجتماعی مفاد اور اسلامی مملکت کو استحکام نصیب ہو، انسانوں کی ہمہ گیر فلاح و بہبود ہو سبیل اللہ ہے۔

- اجتماعی نقصانات کی تلافی کر کے دو گروہوں کو لڑنے سے بچا لینا اور ان میں مصالحت پیدا کر دینا بھی فی سبیل اللہ ہے۔
- اسلامی علاقوں کی بازیافت ہر قسم کی قوت سے اسلام کی مدافعت کرنا اور دنیا کو اسلام کی طرف دعوت دینا بھی سبیل اللہ میں شامل ہے۔
- مسلمانوں کو فوجی تربیت دینا موجودہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیمات دلانا، دینی تعلیم کا بندوبست کرنا فی سبیل اللہ ہے۔ (طاہر سورتی)

لیکن ائمہ سلف کی بڑی اکثریت اور صاحب تفہیم القرآن مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس بات کے قائل ہیں کہ یہاں فی سبیل اللہ سے مراد "جہاد فی سبیل اللہ" ہے یعنی وہ جدوجہد جس سے مقصود نظام کفر کو مٹانا اور اس کی جگہ نظام اسلامی کو قائم کرنا ہو، اس جدوجہد میں جو لوگ کام کریں ان کو سفر خرچ کے لیے، سواری کے لیے، آلات و

اسلحہ اور سروسامان کی فراہمی کے لیے زکوٰۃ سے مدد دی جا سکتی ہے۔ خواہ وہ بذاتِ خود کھاتے پیتے لوگ ہوں اور اپنی ضروریات کے لیے ان کو مدد کی ضرورت نہ ہو۔ اسی طرح جو لوگ رضاکارانہ اپنی تمام خدمات اور اپنا تمام وقت عارضی طور پر یا مستقل طور پر اس کام کے لیے دے دیں ان کی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی زکوٰۃ سے وقتی یا استمراری اعانتیں دی جا سکتی ہیں۔"

جہاد اور قتال کا فرق

فی سبیل اللہ میں، جہاد فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ دونوں شامل ہے۔ اس مد سے نہ صرف یہ کہ اللہ کی راہ میں جنگ کرنے والے سپاہیوں کی مدد کی جائے گی بلکہ اسلامی مملکت اور اس کی سرحدوں کا پوری طرح دفاع کا انتظام کیا جائے گا اور جس وقت بھی مملکت اسلامی کے دفاع کی ضرورت پیش ہو گی۔ قتال و دفاع کو فروغ دیا جائے گا، اور اسلامی مملکت کے دفاع کے لیے اسلحہ کے کارخانے اور قومی ضروریات کی تمام چیزیں فراہم کرنا اس مد کا مقصد اولین ہو گا۔ کیونکہ قتال فی سبیل اللہ کا آخری مرحلہ ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ قتال سے وسیع تر چیز کا نام ہے جس وقت بھی مسلمان حالت قتال میں نہ ہوں گے، حالت جہاد میں ہوں گے کیونکہ مسلمانوں کی زندگی کا مقصود یہی کلمہ کفر کو پست اور کلمہ خدا کو بلند

اور اللہ کے دین کو ایک نظام زندگی کی حیثیت سے قائم کرتا ہے، اس مقصد کے لیے کبھی وہ دعوت و تبلیغ کے کام کرتے ہیں اور کبھی جنگ و قتال کرنا پڑتا ہے۔ غرضیکہ اللہ کا بول بالا کرنے کا کام چاہے ابتدائی مرحلے میں ہو یا قتال کے آخری مرحلہ میں سب فی سبیل اللہ ہے۔

اِبنُ السَّبِیل

آٹھواں اور آخری مد زکوٰۃ "مسافر نوازی" ہے۔ مسافر خواہ اپنے گھر میں غنی ہو لیکن حالتِ سفر میں کسی وجہ سے اگر وہ مدد کا محتاج ہو جائے تو اس کی مدد زکوٰۃ سے کی جائے گی۔ سفر کے لیے یہ شرط ضروری نہیں ہے، کہ اس کا سفر کس مقصد کے لیے ہے، معصیت کے لیے، تفریح کے لیے تبلیغ کے لیے یا تجارت کے لیے یا معاش کی تلاش کے لیے، یا صرف سیر و سیاحت کے لیے۔ غرضیکہ حالتِ سفر میں کسی بھی وجہ سے مدد کا محتاج ہو جانے والے مسافر کا یہ حق ہے کہ خزانہ سے زکوٰۃ کے مد سے اعانت وصول کر کے اپنا سفر پورا کرے۔

زکوٰۃ کس کو کتنی دی جائے؟

یہ تو حقیقت ہے کہ فقر و تنگ دستی کا مقابلہ کرنے اور معاشرے کو

محتاجی کی دشواریوں سے محفوظ کرنے میں نظام زکوٰۃ انتہائی مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔ یہ نظام بھیک منگوں کے لیے روٹی کے چند ٹکڑے، فاقہ مستوں کے چند کلو اناج اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کا معمولی سامان نہیں کرتا۔ بلکہ فقر و مسکنت کی جڑیں تک کاٹ دیتا اور فاقہ مستی کا قلع قمع کر دیتا، اور حاجت مندی کی ذات میں ہمیشہ مبتلا رہنے سے آدمی کو بچا لیتا ہے۔ زکوٰۃ کا نظام جس وقت جہاں کہیں اور جس اسلامی حکومت میں بھی اپنی اصلی رُوح کے ساتھ نافذ ہو جائے گا۔ وہاں چند سالوں کے اندر فقر و محتاجی کا لازماً خاتمہ ہو جائے گا۔ انشاء اللہ

ہمارے ملک پاکستان میں اور دوسرے تمام ملکوں میں جہاں مسلمان آباد ہیں زکوٰۃ کا نظام گرچہ رائج نہیں ہے تاہم غیر منظم صورت میں سہی مسلمان کم و بیش زکوٰۃ نکالتے اور صدقات دیتے رہتے ہیں لیکن یہ کام چونکہ سرکاری سطح پر نہیں بلکہ نجی سطح پر ہوتا ہے اور حاجت مندوں کو ایک روپے سے لے کر دس بیس سو روپے تک دے کر لوگ اپنی زکوٰۃ ادا کر دیا کرتے ہیں۔ اس سے فاقہ مست اور تہی دست لوگوں کی کسی قدر معاونت تو ہو جاتی ہے، اور مہینے دو مہینے ان کے اچھی طرح بسر ہو جاتے ہیں۔ مگر ان کا مستقبل سنورنے نہیں پاتا اور معاشی بدحالی ختم ہونے نہیں پاتی۔ کیونکہ غیر منظم صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی اس سے زیادہ بہتر نتیجہ نہیں دکھا سکتی۔ لیکن اسلام کے معاشی نظام کے اس اہم رکن کو جب ایک اسلامی حکومت اس کی پوری رُوح کے ساتھ نافذ کرتی

ہے تو اُس وقت یہ نظام پورے معاشرہ کے لیے داروئے شفا بن جاتا ہے۔ اس کی حیثیت محض مسکن گولیوں کی نہیں ہوتی ـــــ جو ایک محدود عرصہ تک مریض کو آرام پہنچاتی ہے پھر چند ساعتوں کے بعد بے چین کن کیفیت لوٹ آتی ہے۔

اسلامی حکومت کا مقصد اپنی حدودِ مملکت سے چونکہ فقر و تنگ دستی کو دور کرنا ہوتا ہے، اس لیے وہ امیروں سے وصول کی ہوئی دولت کو غریبوں میں اس طرح تقسیم کرتی ہے کہ دوبارہ اس کے پاس فقر و فاقہ لوٹ کر واپس آنے نہ پائے۔ اور کوئی شخص مجبوری کی وجہ سے سوال کرنے کی ذلت میں مبتلا نہ ہو سکے۔

حاجتیں پوری ہو جائیں

کس کو کس قدر دیا جائے۔ اس بارے میں کسی قدر فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، تاہم تمام مباحث سے جو بات نکھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر حاجت مند اور ہر سائل کو، جو مجبوریوں کے باعث سوال کرنے پر مجبور ہو اس کو اتنا دیا جائے کہ اس کی حاجت پوری اور اس کی مجبوری دور ہو جائے۔ مثلاً سائل کوئی دست کار ہو یا کوئی اور ہنر جانتا ہو یا کسی خاص پیشے سے متعلق ہو تو اسے اتنا مال دیا جائے کہ اس سے وہ اپنے کام کو بہ آسانی چلا سکے، آلات دست کاری خرید سکے، یا ضرورت کے متعلق اوزار خرید سکے، خواہ ان

کی قیمت بہت زیادہ ہو یا بہت کم۔ البتہ آلات آوزار اور سامان کے لیے دی جانے والی رقم اتنی ہو کہ ان کو کام میں لا کر وہ اپنا کام بخوبی چلا سکتا ہو، اور ان سے اتنا نفع حاصل ہو سکے کہ سائل کی ضروریاتِ زندگی قریب قریب پوری ہو جائیں۔ یہ کام افراد، پیشہ، اور کام کی نوعیت کے اعتبار سے کیا جائے گا۔ ایک شخص جو سبزی فروشی کرتا ہے اس کو سونے چاندی کی دکان کھول کر نہیں دی جائے گی، اور نہ ایک سنار کو سبزی بیچنے والی ریڑھی خرید کر دی جائے گی۔ بلکہ سبزی فروش کو ریڑھا گاڑی، سبزی کی خریداری کے لیے نقد روپے یا دکان اور اس کا ایڈوانس کرایہ دیا جائے گا۔ جبکہ سونا چاندی کا کام کرنے والے کو ہزاروں روپے دے دیئے جائیں گے تاکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔ اسی صورت سے (LIGHIT) اور HEAVY موٹر میکینک کو موٹر ورکشاپ یا گیراج چاہے نہ دیا جائے لیکن اس کو اتنے روپے یا سامان دیئے جائیں گے جن سے موٹروں کی مرمت کا کام بخوبی کر سکتا ہو۔ یہی نہیں بلکہ اگر کوئی شخص زراعت پیشہ ہو تو اسے زکوٰۃ کی مد سے اتنی رقم دی جائیگی جس سے وہ کوئی قطعہ اراضی خرید کر اس میں کھیتی باڑی کر سکے اور جس کی پیداوار سے ہمیشہ اس کا گزارہ چلتا رہے اور اگر کوئی بے ہنر ہوگا تو اس کو مرنے کے لیے نہیں چھوڑ دیا جائے گا بلکہ اسلامی رفاہی سلطنت اس مد سے کوئی ایسا کام کرے گی جس سے اس کی گزر اوقات

ہو جائے۔ دکان یا مکان خرید دے گا تاکہ اس کے کرائے سے اس کی زندگی بسر ہو سکے۔ این آئی پوٹس خرید دیئے جائیں گے تاکہ اتنا منافع مل سکے جو اس کے لیے کافی ہو۔

حقیقت ہے افسانہ نہیں

یہ باتیں جو کہی جا رہی ہیں۔ خواب و خیال کی باتیں نہیں ہیں یہ تصوری نہیں بلکہ خالص علمی ہیں اور اسلامی حکومتوں میں ان کا نفاذ اور رواج رہا ہے۔

- حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مستقل پالیسی تھی جس پر وہ خود بھی عمل کرتے اور اپنے حکام اور عاملین کو بھی اس پر عمل پیرا رہنے کی ہدایت کرتے تھے۔ آپ کا حکم تھا اِذَا اُعْطَیْتُمْ فَاَغْنُوْا جب تم فقیر و مسکین کو کچھ دو تو اسے بے نیاز کر دو۔
- ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنی حاجت بیان کی۔ آپ نے لسے چند درہم یا چند سیر اناج نہیں دیئے، بلکہ اس زمانے کی قیمتی دولت جو سب سے زیادہ نفع بخش اور نفیس ترین مال سمجھا جاتا تھا۔ ایک نہیں

تین اُونٹ دے دیئے۔ آپ کا اپنے افسروں کو یہ حکم تھا کہ فقراء اور مساکین کو بار بار صدقہ دو چاہیے ان میں سے کسی کے پاس سو اُونٹ ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

● مشہور فقیہہ اور جلیل القدر تابعی حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مسلمان کے کسی ایک ہی مستحق کنبہ کے اہل خانہ کو اپنے مال کی زکوٰۃ دے کر ان کے آرام و آسائش کا سامان کر دے تو اس کا یہ عمل میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہوگا۔

● ایک مرتبہ حضرت طلحہ نے اپنا قیمتی اور بڑا باغ اللہ تعالیٰ کو دے دیا۔ اور یہ باغ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف دو آدمیوں ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان تقسیم کرا دیا۔

● خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاجتمندوں کو اتنا دے دیتے تھے کہ لینے والا خود حیران رہ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک آدمی آیا تو آپ نے دو پہاڑوں کے درمیان زکوٰۃ

کی جو بکریاں تھیں ان سب کو یا ان میں سے بہت سی بکریاں جو تعداد میں سو سے کم نہ تھیں اس کو دینے کا حکم دیا۔ پھر وہ شخص اتنی ساری بکریاں لے کر جب اپنے قبیلہ کی طرف لوٹا تو بلند آواز سے لوگوں کو پکار کر کہا اے لوگو! "مسلمان ہو جاؤ اس لیے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس شخص کی طرح عطیہ دیتے ہیں جسے فاقہ کا کوئی اندیشہ نہ ہو۔

زکوٰۃ جلد ادا کر دی جائے

زکوٰۃ ادا کرنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیئے، کیونکہ زکوٰۃ ایک مقررہ حق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فقراء مساکین اور دیگر مستحق لوگوں کے لیے معاشرے کے اہل ثروت لوگوں پر واجب قرار دیا ہے۔ اسی لیے مدت گزر جانے کے بعد بھی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی بلکہ سال یا اس سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے بعد بھی ادا کی جائے گی۔

● ـــــــ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ کوئی زکوٰۃ کسی مال سے نہیں ملتی مگر اسے ہلاک کر دیتی ہے۔ یعنی جب کسی مال پر

زکوٰۃ واجب ہو جائے تو اسے جلد از جلد ادا کر دینا چاہیئے۔

کتنی تاخیر؟

● — حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک زکوٰۃ ادا کرنے میں اتنی تاخیر جائز ہے جب تک اس کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ وہ اپنے اس موقف کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم مطلق ہے اس لیے اس کی مدت متعین نہیں ہو سکتی۔

تاخیر سے ساقط نہیں ہوتی

● — وجوب زکوٰۃ کے بعد زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی، چاہے ادائیگی میں کتنی ہی تاخیر ہو جائے۔ امام ابن حزم نے اس بارے میں مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جس کے مال میں دو یا اس سے زائد سالوں کی زکوٰۃ واجب الادا ہو اور وہ شخص زندہ بھی ہو، تو جتنی زکوٰۃ اس پر پہلے سال واجب ہوئی تھی اس حساب سے سارے سالوں کی زکوٰۃ اس سے وصول کی جائے گی۔ خواہ عدم ادائیگی کی

کوئی وجہ بھی ہو۔ مثال کے طور پر یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ اس نے اپنا مال چھپا لیا ہو، یا یہ وجہ ہو کہ حکومت کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والا اہل کار اس کے پاس نہ پہنچا ہو یا بہ بنائے لاعلمی زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کا مرتکب ہو گیا ہو۔ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس کی حیثیت قرض کی ہے اور یہ قرض بواسطہ اسلامی ریاست ملک کے فقیروں اور مسکینوں کا قرض ہے یعنی یہ ایسے لوگوں کا قرض ہے جس کی ادائیگی دوسرے قرضخواہوں کی نسبت پہلے ہونی چاہیئے، کیونکہ یہ زیادہ مستحق ہیں کہ ان کا قرض پہلے ادا کیا جائے گا، پھر دوسرے قرض ادا کیے جائیں گے۔

ٹیکس اور زکوٰۃ

سرکاری ٹیکسوں اور زکوٰۃ میں جو فرق ہے ان میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ حکومتیں جو ٹیکس وصول کرتی ہیں وہ ٹیکس اگر ایک طویل مدت تک ادا نہ کیا جائے تو ساقط ہو جاتا ہے یا اگر اس پر چند سال گزر جائیں تو وہ کم یا زیادہ ہو جاتا ہے، مگر زکوٰۃ مسلمانوں پر ایک قرض کی طرح باقی رہتی ہے وہ جب تک اسے ادا نہ کر دے بری الذمہ

نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں اسلامی حکومت کا سربراہ۔ اگر وہ اسلامی حکومت میں رہتا ہے۔ بزورِ قوت وصول کرے گا۔ اور اگر دنیا میں ایسا کوئی نظام نہیں ہے تو مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کوتاہی کی جوابدہی کرنی اور سزا بھگتنی پڑے گی۔

متروکہ جائیداد اور زکوٰۃ

جس شخص پر زکوٰۃ فرض ہے اور وہ ایک یا دو یا کئی سالوں کی زکوٰۃ ادا کیے بغیر مر گیا ہو تو اس کی موت کی وجہ سے بھی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی بلکہ زکوٰۃ اس کی متروکہ جائیداد و اموال سے نکال لی جائے گی۔ اور قرض سمجھ کر میت کا یہ قرض وصول کر لیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مِن بعد وصیّۃٍ یُوصٰی بھا۔ وراثت اُس وقت تقسیم کر دیں (النساء ۱۲) کی جائے گی جبکہ وصیت جو کی گئی ہو اور قرض جو میّت کے ذمّے ہو گا وہ ادا کر دیا جائے گا ــــــــ اس فرمان خداوندی میں سب قرضے شامل ہیں اور زکوٰۃ بھی بقول علاّمہ ابن حزم ایک قسم کا قرض ہے۔ جو سب قرضوں پر مقدم ہے۔ اگر وہ شخص جہاد فی سبیل اللہ میں بھی شہید ہو گیا ہو جب بھی یہ قرض اس کے مال متروکہ میں سے وصول کیا جائے گا۔

● ــــــ حضور رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرض اس بات کا زیادہ مستحق ہے

کہ اسے ادا کیا جائے۔

● ایک دوسری حدیث ہے جس کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور یہ مسلم شریف میں درج ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قرض کے سوا شہید کے سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام میں زکوٰۃ ایک ثابت شدہ حق ہے، جو اگر ایک عرصہ تک ادا نہ کیا جائے۔ یا یہ کہ جس پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے اور وہ اسے ادا کیے بغیر اگر مر جائے جب بھی یہ حق ساقط نہیں ہوگا بلکہ ترکے سے وصول کر لیا جائے گا۔

رعایت دینا ممکن ہے

اگر کوئی اسلامی ریاست خدانخواستہ کسی اجتماعی پریشانیوں میں مبتلا ہو جائے، اور صورتِ حال کچھ ایسی بن جائے کہ عام لوگ قحط، وبا، خشک سالی، فصلوں کی تباہی یا سیلاب کی اجتماعی مصیبت میں گھر جائیں، تو حکومت عام مشکلات کا لحاظ کرتے ہوئے زکوٰۃ کی وصولی میں تاخیر کر سکتی ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری شرط یہ ہے کہ مسلمانوں کا امام یا اسلامی ریاست کا سربراہ صورتِ حال کا تفصیلی جائزہ لے گا۔ پھر اپنی صوابدید کے مطابق یہ فیصلہ کرے گا کہ

حالات بحرانی ہیں اور پوری قوم ہنگامی حالت سے دوچار ہے۔ اس لیے فصلوں کی بحالی تک، یا حالات کی درستی تک زکوٰۃ کی وصولی ملتوی کی جاتی ہے۔ پھر حکومت آئندہ سال ان سے دونوں سالوں کی زکوٰۃ پوری پوری وصول کرلے ____ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں قحط سالی ہوگئی تھی تو آپ نے زکوٰۃ کی وصولی ایک سال کے لیے ملتوی کردی تھی بلکہ تعزیری سزائیں، یعنی چوروں کا ہاتھ کاٹنے کی سزا بھی ملتوی کردی تھی۔

زکوٰۃ پیشگی ادا کی جاسکتی ہے

سال دو سال یا تین سال پہلے کی پیشگی زکوٰۃ ادا کردینا جائز ہے احادیث اور صحابہ کرام کے اقوال و اعمال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زکوٰۃ پیشگی ادا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ علمائے احناف اور بعض فقہاء نے وقت سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنے کا فتویٰ دیا ہے۔

خیرات اور ہدیہ کا فرق

کسی شخص کو غریب اور ضرورت مند سمجھ کر اعانت اور امداد کے طور پر ثواب کی نیت سے جو کچھ دیا جائے وہ شریعت کی اصطلاح میں صدقہ کہلاتا ہے۔ خواہ وہ فرض و واجب ہو جیسے زکوٰۃ یا صدقہ فطر، یا نفلی ہو جس کو عام زبان میں امداد اور خیرات کہا جاتا ہے

وہ صدقہ ہی ہے۔ اور اگر عقیدت اور تعلق اور محبت کی وجہ سے اور اس کے تقاضے سے کسی اپنے محترم اور محبوب کی خدمت میں کچھ پیش کیا جائے تو وہ ہدیہ کہلاتا ہے۔

● ——— آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صدقہ کو قبول نہیں فرماتے تھے اور ہدیہ کو شوق سے قبول فرما لیتے تھے کیونکہ ہدیہ دینے والا اس کے ذریعے احترام وعقیدت اور تعلق و محبت کا اظہار کرتا ہے اور اس کو اپنی ذاتی ضرورت سمجھتا ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کو بخوشی قبول فرماتے تھے اور ہدیہ پیش کرنے والے کو دعائیں دیتے تھے اور بسا اوقات اپنی طرف سے اس کو ہدیہ دے کر اس کی مکافات بھی کرتے تھے۔

سوال کرنے کی ممانعت

ایک مسلمان کے مال پر دوسرے مسلمان کا حق ہے لیکن ہر شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کے سامنے یا سربراہ مملکت کے سامنے سوال بڑھائے، بلکہ یہ حق صرف ان لوگوں کا ہے جو واقعی ضرورت مند ہیں ایسے لوگ جن کو سوال نہیں کرنا چاہیئے ان میں ایک غنی اور دوسرا تندرست و توانا آدمی ہے۔

● ـــــــ غنی سے مراد وہ آدمی ہے جو فی الحال محتاج اور اور ضرورت مند نہ ہو۔ گرچہ وہ صاحب نصاب اور سرمایہ دار بھی نہ ہو۔

● ـــــــ تندرست اور توانا آدمی وہ ہے جو محنت کر کے اپنی روزی کما سکتا ہو۔ ایسے لوگوں کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ایک مومن کو دینے والا بننا چاہیئے، اس لیے کہ دینے والے کا مقام اُونچا اور عزت کا ہوتا ہے اور لینے والے کا نیچا اور ذلت کا ہوتا ہے اس لیے ایک مسلمان کو خود کو سوال کی ذلت سے بچانا چاہیئے۔ اور اگر مانگنا ناگزیر ہو جائے تو اللہ کے نیک بندوں سے مانگنا چاہیئے۔

...ـــــــ اور اگر بغیر سوال اور کسی لالچ کے بغیر کچھ ملے تو اسے لے لینا چاہیئے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی مال تمہیں اس طرح ملے کہ نہ تو تم نے اس کے لیے سوال کیا ہو اور نہ تمہارے دل میں اس کی چاہت اور طمع ہو۔ تو اس کو اللہ کا عطیہ سمجھ کر لے لیا کرو اور جو مال اس طرح تمہارے پاس نہ آئے تو اس کی

طرف توجہ بھی نہ کرو۔

پیشہ ور سائل اور گداگر

اسلام نے سوال کرنے اور دستِ سوال بڑھانے کو ذلت قرار دیا ہے اور یہ تعلیم دی ہے کہ جب تک کوئی شخص کما سکتا ہو اور اپنی روزی حاصل کر سکتا ہو اس کو اپنی محنت سے روزی حاصل کرنی چاہیئے اسلام میں پیشہ ور سائلوں کے لیے کوئی گنجائش ہے۔ جو لوگ گداگری کو اپنا پیشہ سمجھتے ہیں یا عالم یا پیر بن کر گداگری کو معزز قسم کا پیشہ بناتے ہیں وہ دین فروشی کے مجرم اور فریبی ہیں۔

زکوٰۃ جہاں سے وصول کی جائے وہیں تقسیم بھی کی جائے

● ـــــ زکوٰۃ اسلام کا ایک مالیاتی نظام بھی ہے، اس لیے اس کی تقسیم کا لازماً ایسا انتظام ہونا چاہیئے جس سے ہر علاقہ اور جگہ کے ضرورت مند لوگوں کی جو ایک مملکت کی حدود میں رہتے ہوں پوری کفالت ہو سکے، اور ان کی بنیادی حاجتیں پوری ہو سکیں۔ اس مقصد کے پیش نظر اکثر علمائے سلف نے زکوٰۃ کی تقسیم کے سلسلے میں یہ ضروری قرار دیا ہے کہ جس مقام سے زکوٰۃ لی جائے وہیں

اس کی تقسیم کی جائے۔ ان کے نزدیک بلاوجہ زکوٰۃ کے مال کو دوسری جگہ منتقل کرنا مکروہ ہے ہاں اگر وہ مقامی ضرورتوں سے بچ رہے اور دوسری جگہ اس کی ضرورت ہو تو اس کا منتقل کرنا جائز ہے۔

● ——— حنفی مسلک میں بھی یہی ہے کہ زکوٰۃ جہاں سے وصول کی جائے گی وہیں تقسیم بھی ہو گی۔ بلاوجہ زکوٰۃ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل کرنا مکروہ ہے تاہم علمائے احناف اس بات کے قائل ہیں کہ اگر دوسرے علاقے میں رشتہ دار رہتے ہوں وہاں ضرورت ہو، اور یہاں ضرورت سے زیادہ ہو یا یہ کہ وہاں بھیجنا مسلمانوں کے اجتماعی مفاد میں ہو۔ یا یہ کہ مسلمانوں کے حق میں وہاں بھیجنا زیادہ بہتر ہو۔ یا یہ کہ دار الحرب سے دار الاسلام میں بھیجا جا رہا ہو۔ یا یہ کہ سال پورا ہونے سے میں بھیجا جا رہا ہو۔ یا یہ کہ طلباء کے لیے یا متقی پرہیزگار علماء کے لیے۔ یا یہ کہ سال پورا ہونے سے پہلے بھیجا جا رہا ہو۔ ان صورتوں میں زکوٰۃ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا جائز ہے۔ ورنہ جائز نہیں ہے۔

● ـــــــ امام مالک اور بعض دوسرے ائمہ اور فقہاء کے نزدیک زکوٰۃ کی رقم ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ جہاں سے وصولی کی جائے وہیں تقسیم کردی جائے۔ ان کے نزدیک بھی ایک صورت میں دوسری جگہ زکوٰۃ کی رقم بھیجنا جائز ہے۔ اگر کسی علاقے کے باشندوں کو اس کی ضرورت ہو اور حاکم وقت بربنائے اجتہاد کسی دوسرے علاقے کی زکوٰۃ ان کی طرف منتقل کردے۔

خلاصہ بحث

خلاصہ کلام یہ کہ جس طرح اس بات پر اجماع اُمت ہے، کہ زکوٰۃ جس علاقے سے وصول کی جائے گی اسی علاقے میں تقسیم کردی جائے گی۔ اس طرح یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ اگر کسی خاص علاقے کے لوگوں کو اس زکوٰۃ کی ضرورت نہ رہے جو ان کے علاقے سے وصول کی گئی ہے۔ خواہ اس عدم ضرورت کی وجہ یہ ہو کہ اس علاقے میں اب اتنی خوش حالی آچکی ہے کہ وہاں اب کوئی مستحق زکوٰۃ رہا ہی نہیں۔ یا یہ کہ ان کی تعداد بہت کم ہے، یا یہ کہ مال زکوٰۃ کی فراوانی زیادہ ہے۔ یعنی لینے والے کم اور دینے والے زیادہ ہیں۔ تو ان صورتوں میں زکوٰۃ دوسری جگہ منتقل کی جاسکتی ہے

تاکہ مستحقین کو دے دی جائیں، اور اگر وہاں بھی کوئی نہ ہو تو اس سے قریب ترین علاقے میں منتقل کر دی جائے۔

ضروری مسائل

● اقامت صلوٰۃ کا مسئلہ ہو یا ایتاء الزکوٰۃ کا۔ اسلامی حکومت کے بغیر پورے نظم کے ساتھ ان کا چلنا ممکن نہیں۔ لیکن یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ جہاں مسلمانوں کی شرعی حکومت نہ ہو وہاں نماز کی فرضیت ختم ہو جائے گی بلکہ تمام فرائض قائم رہیں گے اور ان کی ادائیگی مسلمانوں پر فرض ہو گی۔ البتہ ان کا نظم بطور خود مسلمانوں کو چلاتا ہو گا۔ جس طرح نماز کا انتظام مسلمان بطور بطور خود غلامی کے دور میں بھی ہر جگہ کرتے رہے ہیں اسی طرح زکوٰۃ کا نظام بھی اسلامی حکومت کے بغیر وہ خود چلائیں گے۔

ہر شخص اپنی زکوٰۃ خود شرعی ضابطے کے لحاظ سے نکالے گا اور خود اپنے طور پر مستحقین پر ان کو صرف کرے گا۔ یا یہ کہ مسلمانوں کا کوئی ایسا ادارہ ہو جو اس کام کو دیانت دارانہ طور پر کر رہا ہو اس کو ادا

کر دیا جائے۔ جو لوگ بطورِ خود اس کام کو کریں ان کو چاہیئے کہ وہ ایک بکس کو زکوٰۃ کا بیت المال بنا لیں۔ یعنی زکوٰۃ جس وقت وہ نکالیں یا یہ کہ پیداوار کا عشر جب ان پر واجب ہو فوراً ان کو نکال دیں اور اپنے بیت المال میں رکھ دیں۔ اگر اسی وقت مستحقین زکوٰۃ اس کو مل جائیں تو اسی وقت مستحق لوگوں کے ہاتھوں پہنچا دے ورنہ بیت المال میں محفوظ رکھے، جوں جوں مستحق لوگ ملتے جائیں ان پر صرف کرتا جائے۔ اس کو اختیار ہے کہ وہ دو یا تین ضرورت مندوں پر صرف کرے یا سبھوں کو تھوڑا تھوڑا دے۔ بہتر یہ ہے کہ فقیر و مسکین لوگوں کی ضرورتیں اچھی طرح پوری کر دے، بلکہ ان کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل بنا دے۔ چاہے سال میں وہ ایک ہی کو آدمی کو وہ ایسا کر سکے تو اسے یہی کرنا چاہیئے۔

مسجد نہ بنائی جائے

زکوٰۃ کا مال صرف ہشت گانہ مصارف جس کا ذکر ہو چکا ہے انہی میں صرف ہوگا۔ زکوٰۃ کے مال سے نہ تو مسجد بنوائی جائے گی اور نہ مدرسے تعمیر

کیے جائیں گے۔

میّت کا کفن اور قرض

● ــــــ زکوٰۃ کے فنڈ سے کسی میت کا کفن بھی نہیں دیا جائے گا اور نہ ہی میت کا قرض اس مال سے ادا کیا جائے گا۔

باپ بیٹے کو زکوٰۃ

● ــــــ زکوٰۃ کا مال کسی ایسے شخص کو نہ دیا جائے جس سے ابوت یا بنوت کا تعلق ہو۔ یعنی کوئی شخص اپنی زکوٰۃ باپ، دادا، پردادا، دادی، پردادی، ماں، نانا، نانی پرنانا اور پرنانی، اسی طرح بیٹے، بیٹی، پوتے پوتیاں نواسے اور نواسیاں کو بھی زکوٰۃ نہیں دے گا جن سے ازدواجی تعلقات ہیں۔ مثلاً شوہر اپنی بیویوں یا بیویاں اپنے شوہر کو زکوٰۃ نہیں دیں گی۔ اگر اس کی کوئی مطلقہ بیوی ہے مگر وہ ایام عدت میں ہے تو اس کو بھی زکوٰۃ نہیں دی جائے گی۔ لیکن ایام عدت پوری ہو جائے تو دے سکتا ہے کیونکہ وہ اب اس کی غیر ہو گئی ہے۔

مذکورہ بالا اعزہ اس سے متحد ہیں چونکہ ان کو زکوٰۃ دینے کے معنی خود اپنے کو نفع پہنچانا ہے۔ ان کو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی، لیکن ان کے علاوہ دوسرے تمام عزیزوں کو زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے بلکہ رشتہ دار ہونے کی حیثیت سے وہی اس کے اصل حقدار ہیں۔ اگر وہ مستحق زکوٰۃ ہیں۔

اپنے عزیز رشتہ داروں کے علاوہ ضرورت مند پڑوسی اس کے حق دار ہیں

عید کی تہواری

اگر یہ خیال ہو کہ اس کے اعزہ زکوٰۃ کے نام سے دی جانے والی رقم نہیں لیں گے، بلکہ بُرا سمجھیں گے تو ان کو یہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ یہ کیسی رقم ہے۔ ادائیگی زکوٰۃ کے سلسلے میں یہ شرط نہیں ہے کہ یہ کیسی رقم ہے جائے اس کو بتا بھی دیا جائے کہ یہ کیسی رقم ہے بلکہ اعزہ و اقربا کو زکوٰۃ کے فنڈ سے دینے کی بہترین صورت یہ ہے کہ عید کے موقعہ پر تہواری کے نام پر یا کسی خوشی کے موقع پر ان کے لڑکے کو دے دے تاکہ ان کا کام بھی چل جائے اور وہ کچھ محسوس بھی نہ کر سکیں۔ البتہ لڑکوں کو دیتے وقت اتنا ضرور خیال رہے کہ جن لڑکوں کے ہاتھ میں روپے دیئے جائیں وہ سمجھ دار ہوں، دودھ پیتے بچے کو دینا صحیح نہیں ہے۔

تحفہ کے بدلے دینا

اگر کوئی غریب آدمی کسی امیر آدمی کو تحفہ میں کچھ لا کر دے مثلاً ایک شہری امیر آدمی کو دیہات کا کوئی غریب آدمی اپنی پیداوار کی کوئی چیز بطور تحفہ لا کر دے۔ سبزی، پھل یا اناج جیسے تل مکئی چاول یا کچھ اور، اس کے عوض اگر امیر آدمی اپنی زکوٰۃ کا مال اس کو دے دے، یا اس کے لیے اور اس کے گھر والوں کے لیے کپڑے یا کچھ دوسرے ضروری سامان جس کی اس دیہاتی کو ضرورت ہو سکتی ہے خرید کر دے دے اور نیت اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہو، تو یہ درست ہے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لیکن تحفہ لانے والا خود امیر آدمی ہو تو اس کو دینا صحیح نہیں ہے۔ زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی۔

سیدوں کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ

- فقہ کی تمام کتابوں میں ہے کہ سیدوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ سیدوں میں بنی ہاشم کے تین خاندان حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد حارث کی اولاد اور ابو طالب کی اولاد کو دینا جائز نہیں ہے۔
- ہاشم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پردادا

کا نام ہے۔ عبد المطلب جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے دادا تھے۔ ان کے بارہ بیٹے تھے جن
میں سے صرف ان تین بیٹوں کی اولاد کو زکوٰۃ
دینا جائز نہیں ہے، عباس، حارث اور ابو طالب

● —— سادات بنو فاطمہ (فاطمی) سادات علویہ (علوی)
اس تیسرے خاندان میں داخل ہیں کیونکہ وہ
حضرت علی مرتضیٰ کی اولاد ہیں اور حضرت علی
مرتضیٰ ابو طالب کے بیٹے ہیں۔ ان خاندانوں
کے غلاموں کو بھی زکوٰۃ کا مال نہ دینا چاہیئے۔
ہاں صدقات واجبہ، زکوٰۃ، عشر اور صدقہ
فطر کے علاوہ دوسرے قسم کے صدقات سے
ان کی مدد کرنا جائز ہے۔

مولف کی رائے

بلاشبہ فقہ کی تمام کتابوں میں سادات کو زکوٰۃ دینا ناجائز قرار
دیا گیا ہے۔ اس کی بنیاد یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم نے اپنے خاندان والوں پر اس کو حرام قرار دے دیا تھا،
اور جس کو آپ نے ایک بار حرام قرار دے دیا اس کو کسی کا حلال
قرار دے دینا صحیح نہیں ہے بلکہ بڑی جرأت کی بات ہے۔ جس

کی جرأت ایک مسلمان کبھی نہیں کر سکتا لیکن اگر یہ حرام کرنا اگر ایسا ہی ہوتا جیسا کہ سود کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، اور درندوں اور چونچ والے اور پنجے والے پرندوں کا کھانا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے تو بلاشبہ قیامت تک کے لیے یہ حکم بھی مطلق ہی ہوتا۔ لیکن حالات اور قرائن یہ بتاتے ہیں کہ یہ حکم مطلق نہیں تھا۔ بلکہ منافقین کے الزامات سے بچنے۔ اور اس بارے میں یہ حکم نافذ کیا تھا اس سے مقصود آپ کا اپنے خاندان والوں کو ممتاز کرنے یا زکوٰۃ و صدقات کو ناپاک روزی یا ذلت و رسوائی کا سودا، عزت نفس کی بربادی کا ذریعہ اور آدمی کے احساسات کو مجروح کرنے والی شے سمجھ کر نہیں کیا تھا۔ اور نہ زکوٰۃ ایسی چیز ہے بلکہ اس لیے تھا کہ آپ جو سربراہ مملکت بھی تھے۔ آپ کے پاس صدقات و زکوٰۃ کے فنڈ میں ملک کے اطراف سے اتنی دولت سمٹ کر آتی اور آپ کے ہاتھوں خرچ ہوتی تھی، جو عرب کے لوگوں نے کبھی اس سے پہلے کسی ایک شخص کے ہاتھوں جمع اور خرچ ہوتے نہیں دیکھی تھی۔ چونکہ اس سے مال غنیمت کی تقسیم اور دوسری ہر تقسیم کے موقع پر منافقین آپ کو طرح طرح کے الزامات سے مطعون کرتے تھے۔ اس کے ازالہ کی بہترین صورت یہی تھی آپ اپنے اوپر اور اپنے خاندان والوں پر اس کو حرام قرار دیتے۔ کیونکہ خدانخواستہ تقسیم کے سلسلے میں اگر مسلمان کے دل میں ذرا بھی شبہ پیدا ہو جاتا تو اس کے ایمان کی سلامتی خطرے میں پڑ

جاتی اور آپ کو یہ بات کسی طرح منظور نہیں تھی کہ کسی مسلمان کے دل میں خدانخواستہ آپ کے بارے میں کوئی معمولی سا بھی شبہ پیدا ہو کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ مسلمان ہی نہیں رہ سکتا تھا اس لیے آپ نے مسلمانوں کے ایمان کو خطرے سے بچانے کے لیے ایسا حکم دیا تھا۔ اس سے آپ کا مقصد نہ تو اپنے خاندان والوں کو ممتاز کرنا تھا اور نہ زکوٰۃ وصدقات کو ذلیل ٹھہرانا تھا۔ اس لیے ہمارے خیال میں آپ کا یہ حکم آپ کی زندگی تک کے لیے تھا۔ بعد کے لیے نہیں ہے

● ـــــ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ بدگمانی پیدا ہونے کے امکانی راستہ تک کو مسدود کردیتے تھے۔ ایک تو اس وجہ سے بھی کہ سربراہ سے کسی کو بدگمانی ہونی ہی نہیں چاہیئے دوسرے یہ کہ آپ نبی، رسول تھے، آپ سے معمولی بدگمانی ہونے کے معنی یہ تھے کہ وہ شخص اسلام سے خارج ہو گیا۔ اس لیے کسی بھی مسلمان کو کسی بھی وقت اس آزمائش میں پڑنے دینا ہی نہیں چاہتے تھے۔

● ـــــ رمضان کا مہینہ تھا آپ اعتکاف میں تھے اُم المومنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ سے ملنے کے لیے مسجد میں تشریف لائیں، باتوں میں دیر

دیر ہو گئی جب واپس جانے لگیں تو رات گزر چکی تھی آپ نے فرمایا چلو میں تم کو گھر تک چھوڑ آتا ہوں چنانچہ آپ حضرت زینب کے ساتھ گزر رہے تھے آپ نے دو مسلمانوں کو آتے دیکھا اور انھوں نے بھی آپ کو خاتون کے ساتھ دیکھ کر اپنے راستہ کو ذرا کاٹ لیا، آپ دو قدم آگے بڑھے پھر رک گئے اور کھڑے ہو کر آپ نے ان دونوں مسلمانوں کو بلایا اور کہا دیکھو یہ میری بیوی زینب ہیں۔ یہ سن کر بے چارے مسلمان کچھ عجیب سے لرزاں ہو کر کہنے لگے، اللہ کے رسول یہ کیا بات ہوئی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان دو مسلمانوں سے یہ کہنا کہ یہ میری بیوی ہیں صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کے دل میں ایک معمولی سا وہم بھی پیدا ہونے نہیں دینا چاہتے تھے۔ اول تو ان دونوں مسلمانوں کے دلوں میں ایسا کوئی وہم پیدا ہو ہی نہیں سکتا تھا تاہم آپ کی طرف سے یہ وضاحت ایک مسلمان کو خطرے سے محفوظ کر دینا تھا۔

ہمارے دانست میں زکوٰۃ کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے بہرحال اس پر

غور کرنا چاہیئے۔

کافر اور صدقہ

کافروں کو بھی صدقات کا مال دینا جائز نہیں، ہاں اگر ذمی کافر ہو تو اس کو زکوٰۃ عشر اور خراج کے علاوہ دیگر صدقات کا دینا جائز ہے۔

ہمہ وقت عبادت گزار

فقہائے اسلام کا فیصلہ ہے کہ اگر کام کی قدرت رکھنے والا شخص کسب حلال کی کوشش چھوڑ کر اپنے آپ کو عبادتِ الٰہی مثلاً روزے نماز چلّہ اور مراقبے کے لیے وقف کر دے تو اسے زکوٰۃ نہ دی جائے، کیونکہ اس نے شریعت کے ایک بڑے حکم کی نفی کر کے اس نے اپنے لیے ایسا طریق عمل اختیار کیا ہے جو سنتِ نبوی کے خلاف ہے اللہ اور اس کے رسول نے تو ویسے یہ حکم دیا ہے کہ وہ کام کرے اور تلاش معاش میں زمین کے اکناف و اکناف میں پھرے۔ اسلام میں ترک دنیا کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی ہے، نہ عبادت اس لیے ہے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آدمی بس عبادت ہی کرتا رہے۔ کمانے کے لیے کام کرنا نفلی عبادت سے افضل ہے۔

ہمہ وقتی طالب علم

جب کوئی شخص نفع بخش علم حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو

وقف کر دے اور کسب حال اور طلب علم دونوں کو ایک ساتھ چلانا مشکل ہو تو ایسے طالبعلموں کو زکوٰۃ کی مد سے لینا جائز ہے بلکہ ایسے طالب علموں کو اس مد سے اتنا دینا چاہیئے کہ وہ بفراغت اپنی تعلیم جاری رکھ سکیں اور جتنا تعلیمی سال ہو اتنی مدت تک دی جائے۔

طالب علم کے اگر کسی دوسرے شہر میں یا ملک میں بغرض تعلیم رہتا ہو تو اس کو وہاں بھی رقم بھیجی جا سکتی ہے۔ طالب علم پر اس کی پابندی نہیں ہو گی کہ وہ اسی شہر یا ملک کا ہو۔

نذر کا صدقہ

● ــــــ زکوٰۃ اور عشر جو فرض صدقات ہیں کے علاوہ اگر کوئی نذر مانے کہ میرا فلاں کام ہو جائے گا تو میں اللہ کے لیے اس قدر صدقہ دوں گا تو یہ صدقہ واجب ہے اور جس قسم کے لوگوں کو دینے کی اس میں نیت کی جائے گی اس قسم کے لوگوں کو دیا جائے گا۔ چاہے وہ آٹھ قسم کے مستحقین زکوٰۃ کے علاوہ ہوں۔ اس صدقہ میں وہ پابندی برقرار نہیں رہے گی۔

نفلی صدقہ

فرض و واجب صدقات کے علاوہ صدقہ دینا اسی وقت میں مستحب ہے، جبکہ مال اپنی ضرورتوں اور اپنے اہل و عیال کی ضرورتوں سے زائد ہو۔ اگر زائد نہ ہوگا تو یہ صدقہ مکروہ ہوگا۔